انشائے حق
افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کے مضامین
مرتب
انوارالحق

www.taemeernews.com

والدہ محترمہ کے نام

مُرتّب

آنوارالحق

ترتیب

www.taemeernews.com

افضل العلماء ڈاکٹر عبد الحق مرحوم

جملہ حقوق بحق ڈاکٹر عبد الحق ایجوکیشنل سوسائٹی محفوظ

سال اشاعت: ـــــــ سنہ ۱۹۸۲ عیسوی

تعداد اشاعت: ـــــــ ایک ہزار

قیمت: ـــــــ دس روپے

کتابت: ـــــــ محمد عبد الرؤف خوشنویس

طباعت: ـــ دائرہ الکٹرک پریس چھتہ بازار، حیدر آباد

ـــ (ناشر) ـــ

عثمانیہ کالج کرنول

ـــ (کتاب ملنے کا پتہ) ـــ

ڈاکٹر عبد الحق ایجوکیشنل سوسائٹی، معرفت
عثمانیہ کالج کرنول

www.taemeernews.com

حرفِ آغاز

موجب مسرت ہے کہ آج میری ایک دیرینہ آرزو پایہ تکمیل کو پہونچ رہی ہے. مجھے عرصہ دراز سے والد مرحوم کے مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی تمنا تھی میں جب بھی امریکہ سے ہندوستان کا رُخ کرتا تھا تو میرے ساتھ میری یہ تشنہ تمنا بھی دامن گیر رہتی لیکن ہندوستان کے مختصر قیام اور بے پناہ مصروفیتوں نے اس قدر مہلت ہی نہیں دی کہ اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکوں.

بفضل خدا اب کے مجھے دو ماہ ہندوستان میں قیام کرنے کا موقعہ ملا. اور میں نے اس عرصے میں والد مرحوم کے مضامین کو جو مختلف رسائل اور درسی کتابوں میں منتشر تھے، اکٹھا کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔ ان مضامین کو "انشائے حق" کے عنوان سے پیش کرتے ہوئے مجھے جو خوشی محسوس ہورہی ہے اس کا احاطہ الفاظ نہیں کرسکتے۔ مجھے ان مضامین کی اہمیت اور افادیت کے تعلق سے کچھ کہنا نہیں ہے کیوں کہ یہ مضامین نہ صرف ارباب نقد و نظر سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں بلکہ عرصہ دراز سے مدراس اور آندھرا کے ہائی اسکولوں اور کالجوں کے

www.taemeernews.com

نصاب میں داخل ہونے کی وجہ سے آج بھی اردو طلباء کے لئے سرچشمۂ فیضان ہیں البتہ قارئین سے اس قدر گزارش ضرور کروں گا کہ وہ دوران مطالعہ ایک بات خاص طور سے ذہن میں رکھیں کہ یہ مضامین اور خطوط آج سے تقریباً نصف صدی قبل لکھے گئے تھے۔ ان مضامین میں والد مرحوم نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس وقت کے اعتبار سے بالکل درست تھے۔ پچاس سال کے طویل عرصے کے بعد انھیں دورِ حاضر کی کسوٹی پر پرکھنا یقیناً مصنف کے ساتھ زیادتی ہوگی۔

آخر میں ایک بات اور عرض کر دوں کہ یہ مضامین والد مرحوم کے قلمی مسودوں سے نہیں بلکہ مختلف رسائل اور نصابی کتب سے نقل کئے گئے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی فرد گذاشت رہ گئی ہو تو اس کی ذمہ داری مصنف پر نہیں بلکہ نقل نویسوں پر عائد ہوتی ہے

انوار الحق ———

www.taemeernews.com

مقدمہ

اللہ پاک کا شکر ہے کہ والد مرحوم کے بیشتر مضامین، "انشائے حق" کے نام سے پیش نظر کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس ادبی گلدستہ میں رنگ برنگ کے جو پھول کھلے ہیں ان کی خوشبو اور مہک سے ناظرین کے قلب و دماغ معطر ہونے کی قوی امید ہے۔

"انشائے حق" کے مضامین کی زبان سادہ اور دلنشین ہونے کے علاوہ شستہ اور فصیح بھی ہے یہ مضامین علمی اور تحقیقی اعتبار سے مصنف کی غائر فکر اور وسیع مطالعے کے غماز ہیں۔ بعض مضامین جنوبی ہند کی چند نامور شخصیتوں کی سوانح نگاری پر مشتمل ہیں۔ ان قلمی تصویروں میں مصنف نے ایک کہنہ مشق مصور کی طرح رنگ آمیزی کی ہے اور ہر رنگ نظر کو دعوت نظارگی دینے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ مصنف کے طرز نگارش کی بدولت پڑھنے والے کے دل و دماغ پر ان ہستیوں کی سیرت اور کردار کے ایسے نقوش مرتسم ہوتے ہیں جن کی بدولت وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ یہ ہنوز قرطاس کے کردار نہیں

www.taemeernews.com

بلکہ جیتے جاگتے آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے پیکر ہیں۔
نیز سوانح حیات کے پس منظر میں مصنف نے اس زمانے کے
اہم تاریخی واقعات، تحریکیں اور ہمعصروں کا جس انداز سے
جائزہ لیا ہے وہ آپ اپنی مثال ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہتا
تو جنوبی ہند کی دیگر اہم شخصیتوں کے کارنامے اور اس زمانے
کی گرانقدر معلومات محفوظ ہوسکتی تھیں لیکن مصنف کی بے وقت
موت کی وجہ۔ ؏

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

"انشائے حق" کے چند مضامین مصنف کی شگفتہ مزاجی اور زندہ
دلی کے آئینہ دار ہیں خصوصاً "پاگل خانے کی سیر" میرے ایک
عنایت فرما اور "نام" ایسے مضامین ہیں جنہیں بجا طور پر طنز و مزاح
کے شہ پاروں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ طنز و مزاح کے حسین
امتزاج کے ساتھ الفاظ کا انتخاب، جملوں کی ترکیب اور
دلچسپ طرزِ بیان نے ان مضامین کو جو شگفتگی عطا کی ہے وہ
پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔
آخر میں ان شخصیتوں کی خدمت میں پرخلوص مبارکباد
پیش کرنا چاہتی ہوں جنھوں نے اس گرانقدر کتاب کی اشاعت
کا اہتمام کیا مجھے کامل اعتماد ہے کہ "انشائے حق" کے مضامین
ناظرین کے ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرنے میں کامیاب
ہوں گے۔

ہاجرہ حق ایم اے

www.taemeernews.com

مولانا عبدالسبحان مرحوم

مولانا عبدالسبحان مرحوم مدراس کی ان چند ممتاز ہستیوں میں سے تھے جن کی زندگی خدمت قوم کے لئے وقف تھی۔ راقم الحروف کو ان کی زندگی کے آخری دو سال میں شرف یکجائی رہا، اور بہت قریب سے مولانا کے عادات و اطوار کے مطالعہ کا موقع ملا اور یہ امر واقعہ ہے کہ والد مرحوم کی ذات گرامی کے بعد اگر کسی ہستی کے کردار نے مجھے اپنے کردار اور تعمیر سیرت میں فائدہ پہنچایا ہے تو وہ مولانا عبدالسبحان صاحب مرحوم کی ہستی تھی۔ بنابریں اگر میں بعض واقعات کو وضاحت کے ساتھ لکھوں تو قارئین کو خود ستائی کا شبہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ اس تحریر سے مقصد صرف محسن کے احسان کا اظہار ہے۔

شمالی آرکٹ کے ضلع کا صدر مقام "ویلور" غدر کے زمانے میں قطب ویلور حضرت سید شاہ محی الدین صاحب کے اجداد و احفاد کی وجہ سے مرکز علم رہا تھا۔ اور اکثر یہاں علم دین کا چرچہ تھا۔ اسی زمانے میں یعنی غدر سے کچھ مدت بعد ہی مولانا عبدالوہاب صاحب نے جو اس خاندان کے بزرگوں سے تعلیم حاصل کر چکے تھے اور اس کے بعد تکمیل حدیث حرمین میں کی تھی اور مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی اور دیگر علمائے اعلام کے پاس زانوئے شاگردی تہہ کیا تھا، ایک عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آج بھی

www.taemeernews.com

باقیات الصالحات کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس سے صدہا علماء فارغ ہو چکے ہیں۔ ویلور سے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ دلتور کے نام سے آباد ہے۔ یہاں کی زیادہ تر آبادی مسلمانوں کی ہے۔ علم وفن کے بعض آثار کی بناء پہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قصبہ کسی زمانے میں مردم خیز رہا ہوگا۔ اس قریہ میں ایک علمی خاندان مولانا محمد قاسم صاحب کا سکونت پذیر تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے ویلور میں اور کچھ دنوں پرنام بٹ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ پرنام بٹ میں ایک ممتاز عالم اہل حدیث جماعت کے مولوی عبدالقادر صاحب علوم نقلیہ اور ادب میں ماہر تھے۔ لیکن اس زمانے میں مقلد، اور غیر مقلد کے جھگڑوں کی وجہ سے مناظرہ اور مباحثہ کا بازار گرم تھا۔ مولانا محمد قاسم نے گو مولوی عبدالقادر سے کچھ دنوں درس لیا تھا لیکن حنفیوں کی حمایت میں کبھی کبھی استاد سے بھی پرخاش کا موقع نکل آتا تھا۔ مولوی عبدالقادر صاحب نے دکنی اردو میں ایک نظم اپنے شاگرد مولانا محمد قاسم کے متعلق لکھی تھی! مجھے اس کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے ؎

مچھلی کے تسیجھ بچے پانی میں لیجا چھوڑے
کچھ دیر نہ گزری تھی، بن بن کے نکرَ نکلے

الغرض مولانا محمد قاسم صاحب دلتور اور اس کے اطراف واکناف میں اپنے علم وعمل کی وجہ سے بہت مقبول رہے، حتیٰ کہ اس علاقہ میں مولانا کے لقب سے مُراد مولوی محمد قاسم صاحب ہی ہوا کرتے تھے۔
مولانا عبدالسبحان مرحوم مولانا محمد قاسم صاحب کے پہلے فرزند تھے ان کی پیدائش غالباً ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم عربی فارسی کی گھر پر ہوئی

www.taemeernews.com

اور اس کے بعد ویلور کے مدرسہ باقیات الصالحات میں داخل ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔

مدراس میں حاجی محمد بادشاہ صاحب کا خاندان انیسویں صدی کے اواخر میں اپنے انتہائی عروج پر تھا۔ حاجی صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے کثیر دولت اور اولاد سے نوازا تھا۔ اُس زمانے میں یہ کروڑپتی سمجھے جاتے تھے۔ ان کے تین چار فرزند یکے بعد دیگرے دولت علیہ ترکیہ کے سفیر تھے۔ آخری سفیر جن کی سفارت ۱۹۱۴ء تک قائم تھی خان بہادر الحاج محمد عبدالعزیز بادشاہ مرحوم تھے۔ اس خاندان کو یہ شرف حاصل تھا کہ سفارت ترکیہ کے اخراجات انہوں نے ہمیشہ اپنی جیب سے ادا کئے اور ترکی خلفاء سے سوائے تمغوں اور خطابات کے اور کوئی معاوضہ حاصل نہیں کیا۔ ۱۹۱۰ء میں الحاج عبدالعزیز بادشاہ صاحب نے اپنی اکلوتی صاحبزادی کا عقد کرنا چاہا اور اس سلسلہ میں مدرسۂ باقیات الصالحات کے مہتمم اعلیٰ مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم سے مشورہ کیا کسی اچھے طالب علم کی سفارش کی جائے تاکہ اس سے اپنی صاحبزادی کا عقد کر دیں۔ مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم نے مولانا عبدالسبحان کو نظر انتخاب سے دیکھا۔ مولانا صاحب کے والد کا انتقال ایک مدت پہلے ہو چکا تھا۔ بہ ظاہر وسائل دینوی ان کے پاس کم تھے۔ لیکن گھرانہ اس علاقہ میں نہایت شریف اور ممتاز سمجھا جاتا تھا خان بہادر عبدالعزیز بادشاہ صاحب نے مولانا عبدالوہاب صاحب کا مشورہ قبول کر لیا۔ اور اپنی دختر کا نکاح مولانا عبدالسبحان سے کر دیا۔

مولانا صاحب کو اس طرح خوش قسمتی نے ایک ایسے خاندان میں پہنچا دیا جن کا گھر مدراس میں فرودگاہِ علمائے کرام تھا۔ ساری قومی اور ملی

www.taemeernews.com

تحریکات کا یہ مرکز تھا۔ کرناٹک خاندان کے ممتاز افراد نواب ہمایوں جاہ اور ان کے فرزند نواب سید محمد (صدر کانگریس) اور حاجی محمد بادشاہ کے فرزند انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتداء میں مدراس کے مسلمانوں میں علمی اور قومی تحریکات کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ مولانا کے عقد کے چند ہی مہینے بعد مدراس میں ۱۹۰۱ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس مولانا کے خسر عبدالعزیز بادشاہ صاحب کے بنگلے، "اسپرنگ گارڈن" میں منعقد ہوا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں آج کل جمنی اسٹوڈیو ہے۔ نواب محسن الملک اس کے صدر تھے۔ مولانا شبلی، سر عبدالقادر جو اس زمانے میں اڈیٹر "ابزرورز" تھے اس میں شریک ہوئے تھے، اور یہ سب خان بہادر عبدالعزیز بادشاہ صاحب کے مہمان تھے۔ مولانا مرحوم کو ان حضرات کی صحبت اور اس اہم اجلاس سے قومی خدمت کا چسکا لگ گیا۔ ذہین تھے اور طبیعت نئے خیالات کی پذیرائی کے لئے تیار تھی۔ عربی مدرسہ کے محدود ماحول سے نکل کر اس نئے ماحول کو اپنی طبیعت سے سازگار پایا اور ایک ایسے راستہ پر چل نکلے جو قدیم و جدید طبقہ کے بین بین تھا۔

غالباً شادی کے دو سال بعد خان بہادر عبدالعزیز بادشاہ نے مولانا مرحوم کو تجارت کی طرف راغب کرانے کے لئے اپنی مدراس کی کوٹھیوں میں تربیت حاصل کرنے کا موقع دیا۔ اور پھر مصر کی برانچ میں، بحیثیت مینجر روانہ کیا، دو سال مولانا نے قاہرہ میں قیام کیا، اس دوران میں مصر کے سربرآوردہ لیڈروں اور علماء سے ملاقاتیں رہیں۔ مصطفےٰ کامل مشہور مصری لیڈر کی تحریک ... سے بہت متاثر تھے۔ دو زبان؛ قیام

www.taemeernews.com

قاہرہ میں عربی بول چال اور ادب پر دسترس حاصل ہوگی۔ مزید براں
مصری لہجہ اور قرأت سے قرآن مجید کی تلاوت میں مہارت حاصل کی تھی
یہی وجہ ہے کہ جب وہ خوش الحانی سے تلاوت فرماتے تھے تو
ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ غرض قاہرہ کے دو سالہ قیام نے ان کی طبیعت
کے جوہر کو چمکا دیا۔ واپسی کے بعد انہوں نے مدراس کی کڈنگ گلی میں
ایک بڑی تھوک فروشی کی پارچہ کی دوکان کھولی، جس کا بورڈ مصر کے
اثر کی وجہ سے "مولانا عبدالسبحان وشرکاء" ان کی وفات تک اس
گلی میں آویزاں رہا۔ مدراس پیس گوڈس مرچنٹس ایسوسی ایشن کی انہوں
نے بنیاد رکھی اور اس کے سکریٹری تادم وفات رہے۔ سدرن انڈیا چیمبر
آف کامرس کے بنیادی ممبروں میں سے تھے۔ اور ایک مدت تک اس کے
سکریٹری رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۱۴ء تک مسلمانوں کو
مدراس میں تجارت اور خصوصاً بیرونی تجارت میں فروغ حاصل تھا جنگ
کے زمانے میں تجارت کو نقصان پہنچا اور سنہ ۱۹۱۸ء کے بعد سے تو تحریک
عدم تعاون کی وجہ سے بیرونی تجارت تقریباً کالعدم ہوگئی۔ اور اس
حیثیت سے یہ طبقہ اپنی پوزیشن کو بحال نہ رکھ سکا۔ مولانا کی ابتدائی
زندگی میں مدراسی مسلمان تجارت میں صف اول میں تھے۔ اسی بنا پر اکثر
تجارتی انجمنوں میں مولانا صاحب اپنی قابلیت کی وجہ سے اعزازی عہدوں
پر فائز تھے۔ اور ہندو مسلمان دونوں میں ہر دلعزیز تھے۔

حاجی بادشاہ صاحب کے فرزندوں میں خان بہادر عبدالقدوس
بادشاہ صاحب عبدالہادی بادشاہ صاحب قومی اور سیاسی تحریکوں
میں بیش از بیش حصہ لیتے تھے اور انہیں کی سرپرستی میں مولانا عبدالسبحان

www.taemeernews.com

کی تربیت ہوتی رہی۔ مولانا اردو کے اچھے مقرر تھے۔ اور غالباً ان کے لئے انفرادی طور پر کام کرنے کا موقع طرابلس کی جنگ کے زمانے میں ملا۔ اور اس سلسلے میں ترکی کی امدادی تحریک کی سرپرستی کی۔ ہندوستان کی تحریکوں میں انہیں ندوۃ العلماء سے بڑی دلچسپی تھی اور ۱۹۱۵ء میں ندوۃ العلماء کے اجلاس مدراس میں منعقد ہوئے اور بڑی کامیابی کے ساتھ ہوئے۔ اس کا سہرا مولانا عبدالسبحان کے سر تھا۔ انہوں نے ایک انجمن معین الندوہ کے نام سے قائم کی تھی اور تادم وفات اس کے سکریٹری رہے۔ ندوہ کے اجلاس کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی تھے لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بناء پر وہ مدراس تشریف نہ لا سکے۔ مطبوعہ خطبۂ صدارت سنایا گیا۔ اور اجلاس کی صدارت مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے فرمائی۔ اس اجلاس میں ایک شاخ تبلیغ کے لئے بھی قائم کی گئی۔ بیحد جوش کا اظہار کیا گیا۔ ہزاروں کے وعدے کئے گئے۔ لیکن جس قدر جوش دکھایا گیا تھا اس کا شمہ بھی پورا نہ ہو سکا۔ اور تحریک کارکنوں اور چندے کے وعدے کرنے والوں کی بے توجہی سے سرد مہری کا شکار ہو کے رہ گئی۔ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک کا زمانہ مدراس میں سیاسی کشمکش کا تھا مسز اینی بیسنٹ نے ہوم رول کی تحریک شروع کی تھی۔ نواب سید محمد بہادر نے اسی زمانے میں کانگریس کی صدارت کی تھی۔ بعض مسلمان مسز بیسنٹ کی تحریک سے ہمدردی رکھتے تھے لیکن مختلف مصلحتوں کی بناء پر کھلا تائید کے لئے تیار نہ تھے۔ غالباً مولانا عبدالسبحان بھی اسی گروہ میں داخل تھے۔ البتہ ۱۹۱۸ء کے بعد علی برادران کی رہائی اور جلیانوالہ باغ کے واقعات اور ترکی سلطنت کے حصے بخرے ہونے پر خلافت کی

www.taemeernews.com

تحریک نے ایک ایسی فضاء پیدا کردی تھی کہ کارکن گوشہ نشین نہیں رہ سکتے تھے۔

مولانا مرحوم سے شناسائی اور تعلقات کے واقعات وضاحت سے بیان کرنے میں لامحالہ کچھ اپنی زندگی کے واقعات پیش کرنا ضروری ہے۔ اور میں بدرجۂ مجبوری بیان کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کو جذبۂ خودستائی پر محمول نہ کیا جائے گا۔

سنہ ۱۹۱۲ء میں والد مرحوم شمس العلماء مولانا محمد عمر صاحب حاجی عیسیٰ ابا سیٹھ کی دعوت پر تشریف فرما ہوئے۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ میری عمر اس وقت تیرہ سال کی تھی۔ غالباً شرح وقایہ اور ترمذی شریف پڑھتا تھا۔ اس زمانے میں حافظہ بہت قوی تھا کسی کتاب کی عبارت ایک دو دفعہ دیکھنے پر یاد ہو جاتی تھی، اور اسی وجہ سے والد مرحوم نے مجھے بچپن سے تقریر کرنے کی رغبت دلائی تھی۔ میں نے اس زمانے میں مولانا شبلی مرحوم کی اکثر تصانیف کا مطالعہ کیا تھا اور تاریخی مضامین پر تقریریں کرنے کا عادی تھا۔ مدراس کے دوران قیام میں کئی ایک وعظ کی مجلسیں گڈ نگ گلی میں ہوئیں اور میں نے بھی دو تین دفعہ تقریریں کیں، ایک تقریر شولہ میں مولانا حسن میاں پھلواری کی تقریر کے بعد بھی کی تھی، مولانا عبدالسبحان مرحوم دو ایک تقریروں میں شریک تھے۔ انہوں نے بڑی ہمت افزائی کی تھی۔ بات آئی اور گزر گئی۔ سنہ ۱۹۱۸ء تک کبھی اس ملاقات کا خیال تک نہ آیا۔ لیکن جون سنہ ۱۹۱۸ء میں میٹرک پاس ہونے کے بعد انٹرمیڈیٹ میں داخلہ کے خیال سے والد مرحوم کے ہمراہ مدراس آیا؛ تو معلوم ہوا کہ کالج میں داخل ہونا جوئے شیر کا لانا ہے۔ پریسیڈنسی کالج

www.taemeernews.com

(جس کے پرنسپل ہونے کا مجھے بعد فخر حاصل ہوا) کی آفس میں پہنچا تو ہیڈ کلرک نے نہایت بد اخلاقی سے میری درخواست میرے منہ پر پھینک دی پرنسپل تو یوروپین ہوا کرتے تھے۔ ان تک پہنچنا محالات سے تھا۔ مایوس واپس ہوا اور یہ طئے کیا گیا کہ کسی کی سفارش داخلہ کے لئے بہم پہنچائی جائے۔ جناب قادر نواز خاں صاحب مرحوم کسی زمانے میں کرنول میں کلکٹر تھے اور ان کے صاحبزادے عباس علی خاں صاحب مرحوم کو ولایت میں تعلیم کے لئے روانہ کرنے میں والد کا مشورہ شامل تھا۔ اور انہوں نے "نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب" کہہ کر قادر نواز خان صاحب کو راضی کر دیا تھا۔ عباس علی صاحب مرحوم کی کامیابی سے واپسی کے بعد قادر نواز خان صاحب مرحوم اور ان کی بیگم صاحبہ کو والد سے بہت عقیدت تھی۔ بس اس بناء پر ہم ان کے گھر پہنچے۔ ہماری بدقسمتی تھی کہ خاں صاحب موصوف حیدرآباد تشریف لے گئے تھے۔ البتہ ان کی بیگم صاحبہ نے نہایت ہی خوش اخلاقی اور بڑی قدر و منزلت کے ساتھ سلوک کیا، اور واقعات دریافت کئے اور ایک خط اپنے بہنوئی جناب عزیز الدین حسین صاحب کے نام دیا۔ یہ صاحب اُس زمانے میں مدراس کے کلکٹر تھے۔ ہم خط لئے ہوئے صاحب موصوف کے مکان پر پہنچے۔ جمعہ کا دن تھا، صبح کا وقت تھا۔ کلکٹر صاحب اپنے بنگلے کے برآمدے میں کھڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ہم نے گیٹ کھول کے اندر قدم رکھا کہ وہ نہایت برافروختہ ہوگئے۔ والد کا لباس (شایہ اور عمامہ) اور ہمارے غریبانہ انداز سے شاید انہوں نے اندازہ لگایا کہ مانگنے والے ہیں۔ بس فوراً باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ ہم نے چاہا کہ سفارشی خط دیں۔ مگر غصّہ کا پارہ اور چڑھ گیا۔ ہم کو

www.taemeernews.com

اپنی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ یہ یک بنی و دو گوش وہاں سے واپس ہوجائیں اس واقعہ کا طبیعت پر بڑا تلخ اثر ہوا۔ بلکہ یہ خیال ہوا کہ جس تعلیم کے حصول کے لئے محض داخلے میں ایسے دھکے کھانے پڑتے ہیں تو آئندہ کا خدا حافظ۔ قریب تھا کہ دماغ سے مزید تعلیم کا خیال ہی نکل جاتا لیکن والد مرحوم کا استقلال بے نظیر تھا، انہوں نے مختلف مثالوں سے اس واقعہ کی تلخی کو کم کرنے کی کوشش کی۔ جمعہ کی نماز ہم نے گڈ نگ گلی کی مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد مولانا عبدالسبحان کی کمپنی کے منیجر عبدالستار صاحب نے والد کو شناخت کر لیا، اور مصافحہ کرنے کے بعد کہا کہ آپ کمپنی کو تشریف لائیے۔ مولانا صاحب آپ کا ہمیشہ تذکرہ فرمایا کرتے ہیں۔ اور کرنول کے تاجروں سے ہمیشہ آپ کی خیریت دریافت کیا کرتے ہیں۔ والد مرحوم نے مجھ سے پوچھا کیا ہم مولانا صاحب سے مل کے کوئی سبیل نکالیں، صبح کے واقعہ کا اثر اس قدر تھا کہ طبیعت منغض تھی میں نے کہا اگر وہاں بھی وہی سلوک ہو تو مزید پشیمانی ہوگی۔ لیکن والد صاحب کی زبردستی سے ہم مولانا عبدالسبحان صاحب کی کمپنی کی طرف روانہ ہو گئے۔ اندر پہنچنے کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ آج بھی تقریباً چالیس سال کے بعد تازہ ہیں۔ مولانا مرحوم نہایت وجیہہ شکیل اور خوش پوشاک لوگوں میں سے تھے۔ وہ اپنی مسند پر بیٹھے خط کا مطالعہ میں مصروف تھے۔ والد نے آگے بڑھ کے سلام کیا، مولانا نے گردن اٹھائی اور لپک کے اٹھے کہا مولانا محمد عمر صاحب تشریف لائے ہیں۔ دست بوسی کی اور اسی طرح ہاتھ اپنی گرفت میں لئے ہوئے مسند پر پہنچے اور اپنے برابر بٹھا لیا۔ میں بھی روبرو بیٹھ گیا۔ میری طرف مخاطب ہو کر کہا یہ آپ کے فرزند ہیں؟

www.taemeernews.com

اب بڑے ہو گئے، ریش نکل آئی ہے، میں نے ان کی بچپن کی تقریریں سُنی ہیں۔ والد مرحوم نے فوراً کہا کہ کالج میں ان کے داخلہ کے لئے آیا ہوں۔ بے حد خوش ہوئے اور جب یہ سُنا کہ میں نے درس نظامی ختم کرلیا ہے اور دورۂ حدیث سے فارغ ہوچکا ہوں تو بے تابانہ انداز میں کہا کہ ہمارے لئے ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو قدیم و جدید تعلیم کے جامع ہوں۔ یہ آپ نے بہت اچھا کہ جو کالج میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔ والد نے مختصراً داخلہ کی مشکلات کا ذکر کیا۔ مولانا نے ٹیلیفون کے ذریعہ مختلف کالجوں سے دریافت کیا اور یہ پتہ لگایا کہ گورنمنٹ مدراس خاص مسلم طلباء کے لئے ایک علیحدہ کالج کھول رہے ہیں۔ اس میں داخلہ ہوسکے گا۔ اس کے منتظم مسٹر راس پرنسپل گورنمنٹ مدرسۂ اعظم ہیں۔ مولانا نے انہیں ٹیلیفون کرکے اسی وقت ملاقات مقرر کرلی۔ اور ہم کو لئے ہوئے پرنسپل کے بنگلہ پر پہنچے اور داخلہ کا وعدہ لے لیا۔ ہم نے ہاسٹل کے داخلہ کے لئے بھی کہا۔ مولانا صاحب نے کہا بالفعل نہیں، اس کے متعلق میری تجویز کچھ اور ہے۔ بنگلہ سے باہر نکلنے کے بعد والد سے مخاطب ہوکے فرمانے لگے کہ آپ بخوشی کرنول تشریف لے جائیے اور یہ سمجھ لیجئے کہ آپ نے اپنے چھوٹے فرزند کو بڑے فرزند کے گھر پر چھوڑا ہے۔ یہ دورانِ تعلیم میں میرے گھر پر میرے ہمراہ رہیں گے۔ یہ الفاظ کچھ ایسے تھے کہ آنکھوں میں مسرت سے آنسو آگئے۔ صبح کی کلفت شام کو اس طرح دور ہوگئی اور میں دوسرے روز مولانا کی کوٹھی میں منتقل ہوگیا۔ جہاں دو تین کمرے ملحقہ باتھ روم وغیرہ کے ساتھ میرے تصرف میں دیئے گئے۔ میں نے اس وقت بھی سوچا تھا اور متحیر تھا، اور آج بھی سوچتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔

www.taemeernews.com

کہ اللہ نے مولانا کے اخلاق اور ظرف میں کس قدر وسعت عطا فرمائی تھی
تقریباً دو سال وہاں رہا۔ یکم فروری ۱۹۲۰ء کو مولانا کا انتقال ہوا تو
یہ محسوس ہوا کہ اپنا عزیز ترین بزرگ جُدا ہو گیا۔ اس مدت میں محبت
اور مہربانی کے سلوک نے وہ گہرے نقوش دل پہ چھوڑے ہیں کہ زمانے کے
ہاتھوں مٹانے سے بھی نہیں مٹ سکے۔ علم دوستی کی یہ وہ مثال ہے
جو آج شاید ہی کہیں پائی جائے۔ میں نے اپنی زندگی میں اس مثال کو
پیش نظر رکھا، لیکن بخدا وہ فراخ دلی اور جذبۂ محبت پیدا نہ کر سکا جو
مولانا کا میرے ساتھ تھا۔ اللہ پاک ان کی تربت کو نور سے معمور کرے
کہ اپنی زندگی انہوں نے حقیقی معنوں میں قوم کے نونہالوں کی ترقی کے
لئے وقف کی تھی۔

مولانا مرحوم کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد محسوس ہوا کہ وہ نہایت
صاف باطن، کینہ پروری سے بہت دُور ہیں۔ مرنے سے دو چار روز
قبل ایک مقامی اخبار میں مولانا پر رکیک حملے کیئے گئے تھے اور غالباً
حملہ کرنے والے کو سب پہچان گئے تھے۔ سر دلبراں در حدیث دیگراں
والا معاملہ تھا۔ میں نے اس کا جواب لکھا تھا، بے حد خوش ہوئے اور
طبع کرانے لے گئے۔ شام کو مضمون واپس لا کر کہا مولوی صاحب میں
نے دوبارہ غور کیا۔ کسی کے بھونکنے پر ہم کو نہ بھونکنا چاہیئے۔ اللہ اکبر
کس قدر جامع نصیحت تھی۔ میں شاید اس کو اپنی زندگی میں یاد نہ رکھتا
لیکن دو تین روز بعد میں مولانا کی وفات ہو گئی، اور میں نے کئی دنوں سے
مسلسل دیکھا قبر پر سب سے پہلے پہنچ کر تلاوتِ قرآن کرنے والے وہی صاحب
تھے جن کے رشحاتِ قلم سے وہ زہراب ٹپکا تھا۔ اس سے بڑھ کر عفو کی

www.taemeernews.com

کی اور کیا ادا ہو سکتی تھی۔

علم مجلسی میں مولانا طاق تھے۔ ہندوستان کے مشاہیر کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور ان کی اثر پذیر طبیعت نے فائدہ اٹھایا تھا۔ بچپن ہی سے موسیقی سے لگاؤ تھا، مختلف استادان فن کی صحبت میں رہے تھے۔ موسیقی کے ماہر تھے۔ مشکل راگ اور راگنیوں کو خاص خاص پرائیوٹ صحبتوں میں سناتے تھے۔ مالکوس، کالنگڑہ، درباری اور جیپوری وغیرہ جب سناتے تو اچھے اچھے ماہران فن متعجب ہوتے تھے۔ راقم الحروف کو یاد ہے کہ علی جان مرحوم میسور کے مشہور ستار نواز نے مولانا کی وفات کے بعد اپنے مکان پر مجھے مولانا کے موسیقی سے شغف کے واقعات سنائے اور اس سلسلے میں ستار کی کئی ایک گتوں سے سامعہ نوازی کی۔ علی جان پر وجد آور کیفیت طاری تھی۔ میں وہاں سے بادلِ ناخواستہ اٹھا تو رات کے دو بج چکے تھے اور یہ نشست تقریباً پانچ گھنٹے جاری رہی تھی۔ مدراس کے مشہور گائک اور شمالی ہند کے گویئے بھی آتے تو خاص طور پر اپنے راگ سنانے کے بعد مولانا سے داد حاصل کرتے۔ لکھنؤ کے مشہور گویئے پیارے صاحب کو میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ مدراس آنے کے بعد سب سے زیادہ اس امر کے شائق ہوا کرتے تھے کہ مولانا صاحب ایک خاص الخاص مجلس میں ان کا گانا سنیں تحسین ناشناس سے بیزار ہونے کے بعد تحسین قدرشناس کی خواہش کچھ غلط نہ تھی۔

وفات کے روز وہ سر عبدالرحیم صاحب سابق جج مدراس ہائی کورٹ کے مکان پر چائے نوشی کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ یہاں یہ

www.taemeernews.com

تجویز پیش ہوئی کہ مدراس میں مسلم خواتین کی کل ہند کانفرنس منعقد کی جائے۔ اور نفیس دلہن صاحبہ سے درخواست صدارت کی جائے یہ وہی مولانا پہ فالج کا اثر ہوا۔ انھوں نے محسوس کر لیا اور فوراً ہمت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھر جانا چاہا۔ میزبانا کے اصرار کے باوجود نہ رُکے موٹر تک چلے آئے۔ بایاں پاؤں پوری طرح سے اپنے قبضۂ اختیار میں نہ تھا۔ موٹر میں بیٹھ کر ڈاکٹر گرد ساجی کے گھر سے ہوتے ہوئے جانے کی ہدایت کی اور تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو گئے۔ ڈاکٹر کے گھر پہنچنے کے بعد زبان نے بھی یاری نہ دی۔ ڈاکٹر ہمراہ بنگلے پر آیا۔ اس وقت تک ہوش زائل ہو چکے تھے۔ بڑی مشکل سے ہاتھوں ہاتھ موٹر سے نکال کر گھر میں لٹایا گیا۔ اور دو گھنٹے کے بعد اسی بے ہوشی میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ مجھ جیسے غریب اور بے نوا طالب علم کے لئے یہ حادثہ بڑا ہی جاں کاہ تھا۔ مستقبل بھیانک نظر آرہا تھا۔ پیر فلک کے ترکش میں کچھ اور بھی تیر تھے۔ جن کا نشانہ بننا زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تکمیل کے لئے ضروری تھا۔ آنکھ خوں فشاں تھی، دل نالہ کناں اور یہ شعر ورد زبان تھا ؎

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

دو سال کی ہم نشینی کے بعد یہ واقعۂ ہائلہ اپنی پریشانی کے لئے کافی تھا۔ لیکن اس میں زندگی کے سبق پنہاں تھے۔ مقبولیت وہ ہے جو موت کے بعد حاصل ہو۔ اس حیثیت سے مولانا مقبولِ خاص و عام تھے۔ مدراس کے مسلمانوں کا جم غفیر نماز جنازہ میں شریک اور

www.taemeernews.com

کندھا دینے میں مسابقت کر رہا تھا۔ لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت ماتم کناں تھے اور یہی شاید ایک کامیاب زندگی کے حسنِ خاتمہ کی علامت ہے۔

مولانا مرحوم کے اخلاق و عادات میں اگر کوئی چیز قابل گرفت تھی تو میری نظر میں ان کا سریع الغضب ہونا تھا۔ غصہ بہت جلد آتا تھا اور اسی قدر جلد زائل بھی ہو جاتا تھا۔ ہمیشہ اپنے غصہ پہ ندامت محسوس کرتے تھے۔ طبیعت میں خاندان کے تموّل اور ماحول کی وجہ سے تلوّن بھی تھا اسی تلون کی بدولت بہت سے دوست پریشان ہو جاتے تھے کبھی کبھی اس وجہ سے اپنی رائے بدل دینے پہ آمادہ ہو جاتے تھے۔ مجموعی حیثیت سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ معمولی خامیاں بھی زیب و زینت کردار ہیں۔

مولانا کی طبیعت فطرتاً بذلہ سنج واقع ہوئی تھی، شعر و شاعری سے گہری دلچسپی تھی، حضرت داغ سے تلمذ تھا، موزوں طبیعت تھی۔ فی البدیہ کہا کرتے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں خلافت ڈیلیگیشن میں جناب یعقوب حسن سیٹھ صاحب بھی شریک تھے۔ مدراس سے وہ جب لندن جانے لگے تو مشایعت کے لئے سارا مدراس ٹوٹ پڑا تھا۔ مولانا صاحب بھی پلیٹ فارم پہ تھے۔ یہ سماں دیکھا اور فی البدیہ کہا ؎

یعقوب حسن صورت و سیرت احسن
ہوتے ہیں رواں آج وہ سوئے لندن
با فتح و ظفر و کامرانی آئیں
اور انبتہ، اللہ بناتاً احسن

سیٹھ صاحب موصوف اس وقت تک عالم تجرد میں تھے۔ لیکن لندن میں انھوں نے ایک ترکی خاتون سے شادی کر لی اور واپسی میں اپنی

www.taemeernews.com

بیوی کے ساتھ مراجعت فرمائے مدراس ہوئے۔ مولانا نے استقبال کے وقت یاد دلایا کہ میری دعا مقبول ہوئی ہے۔

وہ ایک غزلیں متفرق پرچوں میں تھیں اور کلام کی بیاض بھی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فرزند رشید عبدالجبار بادشاہ مرحوم کی عین عنفوان شباب میں وفات کے بعد عدم توجہی سے سارا ذخیرہ دست برد زمانہ کے ہاتھوں کیڑوں کے نذر ہوگیا۔ غالباً یہ مطلع بھی انہیں کی غزل کا تھا ؎

سر محشر کسی کی یاد قامت لے کے جاتے ہیں
قیامت ہے قیامت میں قیامت لے کے جاتے ہیں

عزیز الدین حسین صاحب کلکٹر مدراس جو بعد کو ممبر بورڈ آف ریونیو اور ایگزیکٹیو کونسلر ہوئے تھے۔ یکایک انتقال کر گئے تو نی البدیہہ کہا تھا ؎

مُرد آن مردے عزیز الدین امین
گفت اور آسماں کے زیستی
با حکومت زیستم امروز حیف
کسی نمی پرسد کہ ہستی یا کیستی

سوء حافظہ کا بُرا ہو کہ بہت سے شعر اور غزلیں جو سنی تھیں وہ یاد نہ رہیں اور یہ گمان کسے تھا کہ مولانا اتنی جلد مرنے والے ہیں اب صرف یاد باقی رہ گئی ہے۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

---

www.taemeernews.com

حاجی جمال محمدؒ مرحوم

حاجی جمال محمد مرحوم کی زندگی کے واقعات اور سوانح حیات کو تفصیلی طور پر قلم بند کرنا آسان کام نہیں ہے اس واسطے کہ صاحب موصوف کی زندگی کے مختلف پہلو تھے۔ ایک ہی وقت میں وہ چوٹی کے مخیّر رئیس بھی تھے، اور ایک سمجھ دار سیاست داں بھی، علمی اور قومی اداروں کے سرپرست بھی تھے، اور قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے مددگار بھی، تجارت میں بھی ماہر تھے، اور بیلک فینانس میں بھی ایک بلند مرتبہ رکھتے تھے، حقیقت میں یہ ایک علمی ادارے کا کام ہے کہ ان کی تفصیلی سوانح حیات مرتب کرائے تاکہ ان کی زندگی کے مختلف پہلو اجاگر ہو جائیں۔

حاجی جمال محمد صاحب کے والد حاجی جمال محی الدین صاحب مرحوم صوبۂ مدراس کے جنوبی حصہ رام ناد کے باشندے تھے۔ ان کے گھرانے کی مادری زبان ٹامل تھی۔ حاجی جمال محی الدین صاحب خاندانی تاجر تھے۔ چمڑے کی تجارت کے سلسلہ میں مدراس آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ اللہ نے ان کی تجارت میں بڑی برکت دی۔

حاجی جمال محی الدین صاحب مرحوم نے اپنی زندگی میں کئی وقف کئے ہیں، جن میں مدراس کا عربی مدرسہ "جمالیہ" ایک مشہور وقف ہے

www.taemeernews.com

ترچناپلی میں بھی مسلمانوں کی تعلیم کے لئے انہوں نے وقف کردہ عمارتیں چھوڑیں۔ دینی تعلیم کی اشاعت اور عربی زبان کی تعلیم کا انھیں خاص ذوق تھا۔ ان کے فرزند حاجی جمال محمد صاحب غالباً ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ تامل اور انگریزی تعلیم کرسچین کالج ہائی اسکول مدراس میں ہوئی۔ فضیلۃ فارم کے بعد یہ اپنی تجارت میں مصروف ہو گئے۔ خدا داد ذہنی قابلیت کی وجہ سے اس میں بڑا درجہ حاصل کیا۔ اور نہایت کامیاب تاجر سمجھے جانے لگے۔ یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے قبل تجارت کے سلسلے میں انھیں یورپ کے سفر کا اتفاق ہوا، اور اس زمانے کی بڑی اہم شخصیتوں سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔ انگلستان کے بعض وزراء اور سیاست دانوں سے ملنے کا موقع ہوا۔ جرمنی میں بعض مشاہیر اور ترکی میں "انجمن اتحاد و ترقی" کے ارباب حل و عقد اور مصر میں حریت پسند لیڈروں اور عالموں سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔ شیخ جوہری طنطاوی سے مدارس عربیہ کے نصاب میں تبدیلی کے سلسلہ میں دو ایک ملاقاتیں ہوئیں۔ اور خود شیخ طنطاوی مرحوم نے اپنی کتاب "تفسیر الجواہر" جلد اول میں دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے۔

یورپ اور ممالک اسلامیہ کا یہ سفر یورپ کی پہلی جنگ عظیم سے پہلے ان کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ جس کے بعد ان کی تجارت کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔

جنگ کے بعد مدراس کے مشہور لیڈروں کے ساتھ خلافت تحریک میں حصّہ لیا۔ نقطۂ نظر سیاست میں ہمیشہ قومی رہا۔ لیکن ہر قسم کے ادارے ان کی سخاوت سے نفع اٹھاتے رہے۔

سمرنا فنڈ کے لئے مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب مرحوم نے دہلی میں ان سے چندہ طلب کیا تو انہوں نے بڑے فیاضانہ انداز میں چیک بک پیش کردی اور حکیم صاحب کو اجازت دی کہ اپنی جانب سے جو رقم چاہیں بھر لیں۔ لیکن حکیم صاحب نے انھیں مجبور کیا کہ وہ اپنی جانب سے لکھ دیں۔ حکیم صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ انھیں سخت حیرت ہوئی جب کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ جمال محمد مرحوم نے ایک لاکھ روپیہ کا چیک لکھ کر حوالے کر دیا۔ قوم کے دیگر ملی اداروں میں ان کی خیرات کا یہی عالم تھا، جنوبی ہند کے مدارس عربیہ، اسلامی انجمنوں بلکہ غیر مسلموں کے تعلیمی اور سوشیل ادارے بھی ان کے دسترخوان سے زلّہ ربا تھے۔

سنہ ۱۹۱۳ء کے بعد راقم الحروف کا بھی مدراس میں پہلے طالب العلم کی حیثیت سے اور اس کے بعد پروفیسر کی حیثیت سے قیام رہا۔ میری ملاقاتیں سنہ ۱۹۲۴ء سے شروع ہوئیں، جب کہ میں نے گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس میں عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے چارج لیا تھا۔ دو ایک ملاقاتوں کے بعد حاجی جمال محمد مرحوم نے وہی مسئلہ پیش کیا، جس کی انھیں دھن تھی یعنی عربی مدرسہ کے لئے ایک نصاب بنایا جائے جس میں علوم جدیدہ اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی شامل ہو اور معیار عربی تعلیم کا کسی حیثیت سے کم نہ ہو۔ اس سلسلے میں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حاجی جمال محمد صاحب کے یہاں متعدد مجالس ہوتی تھیں اور اکثر مجالس اتوار کے دن صبح سے شام تک رہا کرتی تھیں۔ جن میں نصاب کی ترتیب و ترمیم کا اہم کام ہوا کرتا تھا۔ اس مجلس میں گورنمنٹ محمڈن کالج کے اکثر پروفیسر اور علماء بھی شامل رہا کرتے تھے۔ ایک مدت کی بحث و

www.taemeernews.com

تحقیق کے بعد ایک نصاب تیار کیا گیا اور خود ان کے مدرسہ جمالیہ میں اس کو بطور تجربہ رائج کیا گیا۔ سب سے بڑا مشکل مسئلہ اساتذہ کے مہیا کرنے کا تھا۔ جمال محمد صاحب نے اس سلسلہ میں بڑی سیر چشمی کے ساتھ ہر جگہ سے قابل افراد کو انتخاب کیا، اور انھیں اپنے مدرسہ میں استاد کی حیثیت سے رکھا۔ مدرسہ کی تعلیمی حالت روز افزوں ترقی پذیر تھی۔ اور جمال محمد صاحب کی تجارت کو بھی اللہ پاک نے فروغ دیا تھا۔ اپنے خلوص اور حسن نیت سے انہوں نے قوم کے نونہالوں کی تعلیم میں جو مدد کی اس کی مثال لہ شاید ہی کہیں مل سکے۔ ایک جلسہ میں میں نے کبھی یہ ذکر کیا تھا کہ عربی مدارس میں جدید نصاب کے رواج کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ انگریزی پڑھنے والے مختلف طلبہ کو ایک ایسے ہاسٹل میں رکھا جائے جہاں دینی تعلیم اور قرآن و حدیث کے درس کا انتظام ہو اور ایک دینی ماحول ہو اور تعلیم کے لئے نہایت رعایت کے ساتھ بلکہ مفت رہنے سہنے کا انتظام کر دیا جائے تو وہاں کے نہایت طالب علم اچھا اثر لے کے نکلیں گے۔ وقت کی بات ہے کہ جمال محمد صاحب کے دل میں یہ بات اثر کر گئی۔ اور انھوں نے ایک ہفتے کے اندر ہی اندر اپنے بنگلے کے سامنے ایک بہت بڑا وسیع اور عظیم الشان بنگلہ تقریباً تین ساڑھے تین سو روپے کرایہ پر تین سال کے لئے لے لیا۔ اور اس میں ایک ایسے ہاسٹل کھولنے کا انتظام کیا کہ جس میں مختلف کالجوں کے طلباء کو داخل کیا گیا۔ اس بورڈنگ ہاؤس کا نتیجہ تھا کہ مسلمان نوجوان جو تعلیم سے محروم رہا کرتے تھے ایک کثیر تعداد میں کالجوں میں داخل ہونے لگے۔ اور یہاں تقریباً سو ڈیڑھ سو طلباء کے رہنے،، انتظام کیا گیا۔ ان کے لئے صرف لکھنے پڑھنے اور

www.taemeernews.com

رہنے کا انتظام ہی نہیں تھا۔ بلکہ کالجوں کو آنے جانے کے لئے موٹر بسوں کے اخراجات کی حیثیت سے پانچ دس روپئے ماہوار وظیفہ بھی دیا جاتا تھا۔ غالباً اس ہاسٹل کے پہلے وارڈن اور ڈپٹی وارڈن مولوی ابوظفر ندوی اور مولانا ابوالجلال ندوی تھے۔ تین چار سال تک یہ ہاسٹل نہایت کامیابی سے چلتا رہا اور اس مدرسہ سے صدہا نوجوان اپنی تعلیم ختم کر کے زندگی کے مختلف شعبوں میں چلے گئے۔ آج بھی جنوبی ہند کے بعض مشہور افسر، وکلاء ڈاکٹر، پرنسپل اور سیاست داں اس ہاسٹل کے بورڈروں میں سے ہیں۔ ایک بات ان سب میں مشترک پائی جاتی ہے۔ وہ ان کی مذہبیت اور ان کی ملی حمیت ہے بانی کے خلوص نیت کا اثر تھا کہ ان کی اسکیم بڑی کامیاب رہی۔ شاید یہ اور بہت دنوں چلتا، لیکن تجارت کے پلٹا کھانے اور اقتصادی حالت کے عام طور پر بگڑ جانے کی وجہ سے بدرجۂ مجبوری اس اسکیم کو ختم کرنا پڑا۔

۱۹۲۵ء رمضان میں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ وہ بہت دیر تک میرے ساتھ بیٹھے ہوئے گفتگو فرما رہے تھے۔ اس سلسلہ میں "ہبرٹ لکچرز" کا ذکر آگیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ آکسفورڈ نے جس طرح اس قسم کے علمی اور مذہبی لکچرز کا انتظام کیا ہے۔ ہم کو بھی چاہیئے کہ اپنے نوجوانوں کے لئے اسی قسم کا ایک سلسلہ چھوٹے پیمانے پر رائج کریں۔ میں نے کہا یہ کر تو سکتے ہیں لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ اس کے اخراجات کافی ہوں گے۔

جمال صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں سالانہ پانچ چھ لکچرز کے لئے کسی ایک کا انتخاب کیا جائے تو کیا اخراجات ہوا کریں گے۔ میں نے کہا کم از کم دو ہزار اور زیادہ سے زیادہ تین ہزار کے قریب بجٹ

www.taemeernews.com

ہوگا اور آپ اس اسکیم کے ماتحت ہندوستان کے بہترین اصحاب کو اس سلسلے میں مدعو کر سکتے ہیں۔ جمال محمد صاحب نے فی الفور اس کو منظور کر لیا اور تن تنہا سارے مصارف اپنی جیب سے دینے کا وعدہ کیا۔ اور صدر انجمن تعلیمی مسلمانان جنوبی ہند کی سرپرستی میں ایک کمیٹی بنائی اور انتظام جمید حسن سیٹھ مرحوم کے سپرد ہوا۔ اور پہلے لکچرز کا انتخاب مجھ ہی پر موقوف رکھا میں نے علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم کا نام پیش کیا کہ ان سے درخواست کی جائے کہ سیرت نبوی کے بعض اہم پہلوؤں پر ان کی تقریریں ہوں۔ خط و کتابت کے بعد علامہ مرحوم نے ہماری درخواست قبول کر لی۔ وہ مدراس رونق افروز ہوئے اور یہاں وہ مشہور خطبے دیئے جو بعد میں "خطبات مدراس" کے نام سے دارالمصنفین سے شائع ہوئے۔ کتاب کی اہمیت اور ان خطبات کی افادیت پر لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ اور یہ لکھنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ ان خطبات نے بہت سے نوجوانوں کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔ جمال محمد صاحب مرحوم کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ "میں نے جو کچھ کیا وہ بہت کم ہے۔ اور یہ کامیابی اور یہ شاندار نتیجہ حقیقت میں فضل الٰہی ہے۔" دوسرے سال نظر انتخاب محمد مارماڈیوک پکتھال پر پڑی وہ ہماری دعوت پر مدراس تشریف لائے اور یہاں اسلام کے ثقافتی پہلو پر چھ لکچر دیئے۔ یہ کتاب بھی انگریزی میں شائع ہوئی اور اب تک اس کے دو تین ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ تیسرے سال سر محمد اقبال کو دعوت دی گئی کہ وہ مدراس تشریف لائیں اور کسی خاص اسلامی موضوع پر لکچر دیں، عام طور پر لکچرر کو ایک سال کا وقفہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے لکچرز تیار کر سکے۔ اور انہیں سنانے کے بعد ان کو کتابی حیثیت میں شائع کیا

www.taemeernews.com

جا سکے۔ سر محمد اقبال مرحوم کے وہ معرکتہ الآرا خطبات جو کتابی شکل میں
شائع ہو چکے ہیں، سب سے پہلے مدراس میں اسی کمیٹی کی سرپرستی میں
مختلف نشستوں میں سنائے گئے اس کے متعدد اڈیشن آکسفورڈ یونیورسٹی
پریس سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے
یہ واقعہ ہے کہ جمال محمد صاحب مرحوم کے اور کوئی کارنامے نہ بھی ہوتے
تو صرف یہ کارنامہ ان کی بقائے دوام کے لئے کافی تھا۔

سر محمد اقبال مرحوم جب مدراس تشریف فرما ہوئے تو ان پر جمال
محمد صاحب کی شخصیت کا گہرا اثر ہوا۔ اور ان کے متعلق انہوں نے مدراس
میں وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال میں تقریر فرماتے ہوئے ان خیالات کا اظہار
کیا تھا۔

"حاجی جمال محمد صاحب کی شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے ایک
شخص سادہ لباس میں ہے۔ کروڑوں کی تجارت کرتا ہے اور دقیق فلسفیانہ
مسائل پر گفتگو کر سکتا ہے۔ اسلام نے اسی PLAIN LIVING AND
HIGH THINKING کی تعلیم دی تھی۔ شکل دیکھو تو درویشوں کی اور
دل دیکھو تو بادشاہوں۔ اسی زندگی کے سرور کائناتؐ نے ہدایت کی تھی جس
وقت سے مسلمانوں نے یہ زندگی چھوڑی اسی دن سے زوال شروع ہوگیا
ہم سب کو چاہیئے کہ اس معاملہ میں حاجی صاحب کی تقلید کریں۔"

جمال محمد صاحب کی سادہ زندگی کا ایک خاص پہلو یہ تھا کہ وہ رسم و رواج
کے بندھنوں سے آزاد تھے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں جس سادہ طریقہ کو
انہوں نے اپنے خاندان کے لئے اختیار فرمایا تھا، اس کی مثال مشکل ہی سے
ملتی ہے۔ ان کے لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کی اطلاع خاص خاص احباب

www.taemeernews.com

تک کو بھی نہ ہوتی تھی۔ طریقۂ کار یہ تھا کہ جب کبھی اپنی کسی لڑکی کے بیاہ کا خیال دل میں آیا اور انہوں نے اپنے ہونے والے داماد کو اپنے ذہن میں انتخاب کرلیا اور ایسے اشخاص عموماً ان کے افراد خاندان سے یا مدرسۂ جمالیہ کے طلبہ میں سے کوئی نہ کوئی ایک ہوا کرتا تھا۔ اس قسم کے فیصلہ کے بعد ہی چند گھنٹوں یا دو ایک دن کے اندر اندر نہایت سادہ طریقہ سے گھر کے افراد کی موجودگی میں مدرسۂ جمالیہ کا کوئی استاد نکاح پڑھ دیا تھا۔ اور اس کے بعد طلبا اور اساتذہ کو کھانا کھلا دیا جاتا تھا۔ گھر میں جو کچھ لباس اور زیور مہیا ہوتا تھا وہ لڑکی کو دے دیا جاتا تھا۔ اور اس کے ساتھ رخصتی ہو جاتی تھی۔ اپنے نہایت ہی وسیع کمپونڈ میں مختلف چھوٹے چھوٹے بنگلے ہوتے تھے۔ ان میں سے کسی ایک میں ان کے قیام کا بندوبست ہوتا تھا۔ اور حسب استطاعت ان کو کسی کام میں لگا دیا جاتا تھا۔ آج جمال محمد صاحب کی اولاد اسی طریقہ پر عمل پیرا ہے، اور سنّت رسولؐ کی اس سادگی کی بنیاد جو اس گھرانے میں ڈالی گئی ہے اس کا ثواب یقیناً بانی کی روح کو پہونچتا ہوگا۔ لباس اور طرز معاشرت میں بھی سادگی نمایاں تھی۔ عام طور پر لنگی، سفید کرتا اور پگڑی روزانہ کا لباس تھا۔ ولایت کے سفر میں یا اور رسمی محفل میں سیاہ شیروانی اور اسی رنگ کی پتلون پہنا کرتے تھے۔ لباس کے طرز میں بھی ان کی اولاد واحفاد کی تقلید حیرت انگیز ہے۔ اس سادہ معاشرت نے ان کی زندگی میں جو وقار پیدا کیا تھا، صاحب نظر لوگوں کی نگاہ سب سے پہلے ان پر پڑتی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ سر محمد اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار اپنی تقریر میں فرمایا۔

جمال محمد صاحب مرحوم کا ایک اور کارنامہ جس کو آسانی سے نہیں

www.taemeernews.com

بھلایا جا سکتا وہ اُن کی بر وقت امداد ہے جو انہوں نے جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کو عطا کی۔ غالباً ۱۹۲۷ء ڈسمبر میں جب کہ مختلف اسباب کی وجہ سے جامعہ کی مالی حالت بالکل نازک صورت اختیار کر چکی تھی۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں مرحوم کا یہ ارادہ ہوا کہ وہ مدراس پہنچ کر جامعہ کی امداد کی تحریک کریں۔ اس زمانے میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا اجلاس بھی مدراس میں مقرر تھا۔ اور اس کے صدر ڈاکٹر انصاری مرحوم تھے اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بھی زیر صدارت سر عبدالقادر مرحوم یہیں ہو رہا تھا۔ ڈسمبر کے آخری ہفتے میں ان اجتماعات کے موقعوں پر مسیح الملک مرحوم نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو، جو اس زمانے میں جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر کی حیثیت سے کارفرما تھے، مدراس روانہ فرمایا اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ کانگریس کے اجلاس کے زمانے تک وہ خود بھی مدراس پہونچ جائیں گے۔ یہ انتظام اپنے خیال میں مسیح الملک نے فرمایا تھا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عین اس زمانے میں حکیم صاحب مرحوم رامپور سے دلی آتے ہوئے ٹرین میں عارضۂ قلب سے وفات پا گئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب مدراس پہونچ چکے تھے۔ اور انھیں روزانہ مسیح الملک کی آمد کا انتظار تھا۔ یکایک اس حادثہ جانفرسا کی اطلاع اخبارات کے ذریعہ سے ملی۔ لازمی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب پر اس کا بڑا اثر ہوا اور مایوسی کا غلبہ رہا۔ اس زمانے میں سب سے پہلی دفعہ راقم الحروف کی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور اس سلسلے میں میں نے اور بعض جامعہ سے ہمدردی رکھنے والے اصحاب نے یہ تجویز کی کہ جمال محمد صاحب مرحوم سے استمزاج کیا جائے۔ اور مسیح الملک کی آرزو سے انھیں آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب

www.taemeernews.com

نے جس وقت جامعہ کے سارے پوست کندہ حالات بیان کئے اور مسیح الملک مرحوم کے ارادے کی اطلاع دی۔ جمال محمد صاحب نے نہایت خندہ پیشانی سے تا بحدا مکان امداد کا وعدہ فرمایا اور دو ایک روز کے بعد ہی اُنہوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو چائے کی دعوت دی۔ جس میں مدراس کے اکثر معزز تاجر شریک تھے اور وہیں جامعہ کی امداد کی تحریک کی اور خود اپنے اور اپنے خاندان کے افراد کی جانب سے عطیات کا اعلان فرمایا۔ جن کی مجموعی رقم شاید ستر، ہزار سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد مدراس کے دیگر تاجروں سے رقمیں دلائیں۔ دو چار روز میں تقریباً چالیس ہزار روپے کی گرانقدر رقم مہیا کر دی گئی۔ جامعہ ملیہ کی تاریخ میں یہ وہ نازک دور تھا جس میں کارکن ابتلا اور آزمائش سے تقریباً مایوسی کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔ اس امداد نے ایک نئی روح پھونک دی۔ اور جامعہ کا نیا دورِ زندگی شروع ہوا۔ جمال محمد صاحب مرحوم کی قومی خدمات میں سے یہ ایک ایسی خدمت ہے جس کو اُنہوں نے نہایت ہی خاموشی سے کیا اور اس کی نہ تو اشاعت کی اور نہ اس کو ذریعۂ شہرت سمجھا۔

تجارتی معاملات اور معاشی مسائل میں ان کی نگاہ دوربین اور دور رس تھی۔ جنگ عظیم کے بعد کساد بازاری سے حکومت برطانیہ نے معیارِ زر اسٹرلنگ کے لئے باقی نہ رکھا تھا اور اس وجہ سے پونڈ کی شرح تبادلہ پر بڑا اکافی اثر پڑا تھا۔ حکومت ہند نے ہندوستان کے روپیہ کو پونڈ کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔ اس لئے تجارتی منڈیوں میں روپے کی قیمت گھٹ گئی تھی، اور شرح تبادلہ پر بڑا بُرا اثر پڑا تھا۔ حکومت اور حکومت کے ہم نوا یکا نومسٹ نے اس طرزِ عمل کی خوبی کو مدلل طور پر ثابت کرنا چاہا۔ اور

www.taemeernews.com

ہندوستان کے فینانس ممبر نے اس کی تائید میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ جمال محمد صاحب نے اس زمانے میں متعدد آرٹیکل اس مسئلہ پر لکھے، اور ہندوستان کے مشہور انگریزی اخبارات اور معاشی رسالوں میں شائع کیئے۔ ان میں انہوں نے گورنمنٹ کے اس فیصلے کو ہندوستان کے حق میں نہایت مضر ثابت کیا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس سے اگرچہ ان تاجروں کو جو باہر سے مال منگوایا کرتے تھے، عارضی طور پر فائدہ ہوا، لیکن ہندوستان سے بیرونی ممالک کو اشیاء بھیجنے والے تاجروں کو اور خصوصاً تاجران چرم کو جو نقصان پہنچا ہے اس نے دس، بیس سال تک ان تاجروں کو معاشی بحران میں مبتلا کیا۔ اس زمانے میں جمال محمد صاحب کے مدلل اور محققانہ مضامین کی شہرت سے ممبر کامرس کی جگہ پر اسمبلی میں ان کا انتخاب ہوا۔ اور اس زمانے کی لیجسلیٹو اسمبلی میں ایک مدت تک ممبر رہے۔ اور اسی زمانے میں ہندوستان بھر کے تاجروں کے چمبرس کے فیڈریشن نے انہیں اپنا صدر منتخب کیا۔ اور یہ یقیناً ایک ایسا اعزاز تھا جو شاید ہی مسلمانوں میں کسی کو میسر ہوا ہو۔ مدراس یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد جمال محمد صاحب کی تحریروں کے اس قدر قائل تھے کہ انہوں نے یونیورسٹی کی تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ ایک غیر گریجویٹ کو اکنامکس اور کامرس کے بورڈ آف اسٹیڈیز کا ممبر منتخب کیا۔

جمال محمد صاحب کی توجہات ابتداء ہی سے ملک کے سیاسی مسائل کی طرف بھی رہا کیں اور اس کا میں نے اشارۃً تذکرہ کیا ہے کہ ان کی ہمدردی ہمیشہ سے سیاست میں کانگریس کے ساتھ تھی گو مدراس میں یہ مسلم لیگ کے صدر بھی رہے اور مسلم لیگ کا دفتر انہی کے آفس میں

www.taemeernews.com

رہا۔ لیکن ان معاملات میں ان کی رائے بڑی صائب تھی۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں جمال محمد صاحب مرحوم کو بھی انڈیا گورنمنٹ نے منتخب کیا۔ یہ پہلے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شریک رہے۔ ہندو اخبار کے صفحات شاہد ہیں کہ اس زمانے میں انہوں نے گاندھی جی اور محمد علی جناح میں مصالحت کی بہت کچھ کوشش کی لیکن ان کی ساری مساعی کا نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا۔ اور ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ بہت دنوں کے لئے ملتوی ہو گیا۔ انگلستان کے اس دورے کی واپسی کے بعد، جمال محمد مرحوم کی زیادہ تر توجہات تعلیم اور عربی مدارس کی اصلاح پر مبذول ہو گئیں۔ تجارت کی حالت روز بروز گرتی جاتی تھی، لیکن ان کی داد و دہش اور قومی کاموں میں امداد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ۱۹۳۶ء میں راقم الحروف نے آکسفورڈ جانے کا خیال کیا تو جمال محمد صاحب نے بہت کچھ ترغیب دلائی اور ہر طرح کی امداد فرمائی سیاحت کا شوق دلایا۔ یورپ کے مختلف ممالک کی سیر اور بالخصوص جمہوریہ ترکیہ میں کچھ دن اقامت کے لئے انہوں نے مجھ کو مجبور کیا۔ بلکہ وہ میرے انگلستان کے قیام کے زمانے میں برابر خط لکھا کرتے تھے۔ اور یورپ کے مختلف ممالک کا شوق دلایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۰ء کے بعد عموماً تاجرانِ چرم کی حالت اور جمال محمد صاحب کی تجارت میں خصوصاً ایک زبردست انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جمال محمد صاحب کی تجارتی دیانت کی ایک عجیب و غریب مثال یہ ہے کہ انھوں نے جس وقت اپنی تجارت بند کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اپنے قرضداروں سے جن پر ان کی رقم نکلتی تھی اور جن سے اس قرض کے حاصل کرنے کی مستقبل قریب میں کوئی امید نہ تھی بلا کر بخوشی ان کے دستاویزات قرض واپس کر دیئے اور جن کمپنیوں کو انھیں رقم دینا تھی، ان

www.taemeernews.com

کی پائی پائی کا حساب کر کے بھجوا دیا۔ یہی نہیں بلکہ مدارس اور انجمنوں کی جو کچھ تنخواہیں، وظیفے اور امداد مقرر تھی ان کو بھی اسی مہینے میں منی آرڈر کے ذریعہ سے رقمیں بھیج دی گئیں۔ اور اس کے ساتھ یہ معذرت کی گئی کہ آئندہ شاید میں آپ کی مدد نہ کر سکوں۔

مجھے بھی بعض اداروں کی سرپرستی کی بدولت ان واقعات سے آگاہی رہی اور میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ اس قسم کی مثال ملنی بہت ہی مشکل ہے۔ غالباً جمال محمد صاحب کے کردار کی اِن ہی خوبیوں نے ہندوستان کی ایک عظیم الشان ہستی سر محمد اقبالؔ کو اس طرح متاثر کیا تھا کہ انھوں نے علی الاعلان ان کی تعریف کی تھی۔

مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ اس مختصر مضمون میں ان کی زندگی کے مختلف پہلو تشنہ رہ گئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ان کی سوانح اور حالات کو جمع کرنا ایک ریسرچ اسکالر کا کام ہے۔ جو اُس زمانے کے اخبارات اور رسائل کے مضامین کی چھان بین کرے اور ان پر تفصیلی تبصرہ کر سکے۔ مرحوم کی زندگی نوجوانوں کے لئے ایک مشعلِ راہ ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ کردار، محنت اور دیانت سے ایک شخص اپنے آپ کو کس بلند درجے تک پہونچا سکتا ہے۔

www.taemeernews.com

سر رچرڈ برن سے میری ملاقات

سر رچرڈ برن ہندوستان کے اُن مشہور آئی، سی، ایس افسروں میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ جنہوں نے پہلی عالمگیر جنگ کے زمانہ میں اپنی قابلیت اور سخت گیری کا سکہ بٹھا یا تھا۔ یو پی میں چیف سکریٹری کے عہدے پر مدتوں رہے اور اس کے بعد بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انگریز افسر اپنی خود سری کی وجہ سے عوام وخواص میں مبغوض تھے۔ جنگ کے دوران میں ذرا ذرا سی بات پہ گرفت ایک معمولی سی بات تھی۔ غالباً اکبر مرحوم نے ۱۹۱۴ء میں جب جنگ چھڑی تو ایک غزل کہی تھی، جس کے مطلع کا پہلا مصرعہ معنی خیز تھا ؂

بحمد اللہ اب خونِ شہیداں رنگ لایا ہے

اس پہ سر رچرڈ برن نے اکبر کی خبر لی تھی۔ اور غالباً بعض تذکرہ نگاروں نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن میری ملاقات سر رچرڈ برن سے نہایت دلچسپ اور پر لطف انداز میں ہوئی۔ اور میں نے ان کی زبان سے اکبر مرحوم کا تذکرہ سنا۔ [illegible] اس ملاقات کا تفصیل سے ذکر کر دیتا ہوں۔

۱۹۳۰ء میں ۵ر نومبر کو میں لندن پہونچا۔ عام طور پر انگریز اس دن خوشی مناتے ہیں اور [illegible] GUY FAWKES کی یادگار میں آتش بازی کی رسم ادا

www.taemeernews.com

کرتے ہیں۔ پیڈنگٹن اسٹیشن سے آکسفورڈ جانے کے لئے میں نے ایک کمپارٹمنٹ میں اپنا سوٹ کیس رکھا۔ اور اس پر اپنا ہینڈ بیگ رکھا۔ اور ٹرین کے ڈبوں میں اپنے ساتھیوں کی تلاش میں روانہ ہوا۔ جیسے ہی میں اپنے کمپارٹمنٹ کے مقابل واپس پہنچا تو میں نے ایک فربہ اندام خوش پوش انگریز کو دیکھا، جو اس کمپارٹمنٹ میں بیٹھے تھے: مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت ادب سے کہا کہ آپ کا اسباب یہاں رکھا ہوا ہے۔ مجھے ان کے اس سلوک پر بڑی حیرت ہوئی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں میری داڑھی شیروانی اور سروال کی وجہ سے یورپ میں لوگ اکثر توجہ اور عزت سے پیش آتے تھے لیکن انگلستان میں کسی انگریز کا بغیر تعارف کے خود بخود پہل کر کے خطاب کرنا حیرت انگیز تھا۔ میں شکریہ ادا کرنے کے بعد وہیں ان کے مقابل بیٹھ گیا۔ دو تین منٹ کے بعد انہوں نے پوچھا کہ آپ الہ آباد سے کب واپس ہوئے۔ اب تو مجھے بڑی حیرت ہوئی؛ اس لئے کہ آکسفورڈ سے مدراس واپس ہونے کے بعد اکتوبر میں بعض مخطوطات کی تلاش کے سلسلہ میں رامپور گیا تھا۔ اور وہیں سے اعظم گڑھ علامہ سید سلیمان صاحب مرحوم سے ملنے کے بعد الہ آباد گیا۔ اور دو تین روز مولوی نعیم الرحمٰن صاحب مرحوم کے ہاں مقیم رہا۔ اور میرا یہ خیال تھا کہ میرے اس پرائیویٹ سفر کی اطلاع بعض خاص خاص احباب کے علاوہ اور کسی کو نہ ہوگی۔ اب جیسے ہی ان اجنبی صاحب بہادر نے الہ آباد کا ذکر کیا تو ذرا گھبراہٹ ہوئی کہ کہیں ہماری نقل و حرکت کی نگرانی تو نہیں کی جا رہی ہے۔ لیکن باوجود اس کے میں نے اطمینان سے جواب دیا کہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ پہلے مجھے الہ آباد میں ٹھہرنے کا موقعہ ملا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور میری تشویش بڑھتی گئی۔ دو چار رسمی باتوں کے بعد معلوم ہوا کہ انہیں میرے متعلق مغالطہ ہوا ہے۔ اور وہ مجھے سر رادھا کرشنن سمجھ کر خطاب کر رہے ہیں۔ میں نے اطمینان کی سانس لی اور اُن کے شبہ کا ازالہ کیا اور اپنا کارڈ پیش کیا۔ اُنھوں نے بھی اپنا کارڈ

کارڈ پیش کیا، تو معلوم ہوا کہ یہ سر رچرڈ برن تھے۔ مغالطہ کی وجہ یہ تھی کہ میرے سوٹ کیس پر نام کے نیچے پروفیسر مدراس لکھا ہوا تھا۔ اور ہینڈ بیگ کی وجہ سے نام چھپ گیا تھا۔ صرف بقیہ حصہ نمایاں تھا۔ پس اس بناء پر انہوں نے مجھے سر رادھا کرشنن تصور کر لیا۔ کیوں کہ اسی زمانے میں سر رادھا کرشنن اسپالڈنگ پروفیسر کی حیثیت سے الہ آباد یونیورسٹی کی سلور جوبلی میں شریک ہونے کے لئے آکسفورڈ سے گئے تھے اور غالباً کچھ دن پہلے واپس بھی ہو چکے تھے۔ سر رچرڈ کو یہ دھوکہ ہو گیا اور انہوں نے اس مغالطہ کی بناء پر مجھ سے گفتگو میں پہل کی تھی۔ لیکن جب شبہ کا ازالہ ہو گیا اور انھیں جب یہ معلوم ہوا کہ میرا مضمون عربی اور فارسی ہے تو اور کشادہ دلی سے باتیں کرنے لگے۔ نیز امیر خسرو، مصحفی اور غالب کے اشعار سنائے۔ اس کے بعد اکبر مرحوم کا ذکر آیا اور میں نے کہا آپ کی گرفت اور پابندیوں سے غالباً اکبر مرحوم نالاں تھے۔ تو ہنسنے لگے، پھر کہا کہ واقعات بالکل ایسے نہیں جیسے کہ بیان کئے جاتے ہیں۔ اس میں کچھ مبالغہ ہے واقعہ یہ ہے کہ اکبر مرحوم سے میرے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور اچھی راہ و رسم تھی۔ اکبر بسا اوقات میرے یہاں تشریف لاتے اور ایک خاص علمی اور ادبی نشست ہو جاتی تھی۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے کہا کہ اکبر صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ حلقۂ احباب میں ان کی پر لطف گفتگو اور بذلہ سنجی ضرب المثل تھی۔ بات میں بات پیدا کرنا ان کی اہم خصوصیت تھی۔ حاضر جوابی اور لطیف اشاروں میں وہ اپنی آپ مثال تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کسی نشست میں آزادی کا ذکر ہو رہا تھا۔ اور مختلف احباب اپنی اپنی رائے ظاہر کر رہے تھے۔ ان میں سے کسی صاحب نے یاس کے انداز میں کہا معلوم نہیں، یہ آدم زاد کب آزاد ہوگا۔" اکبر وہاں موجود تھے۔ انہوں نے فوراً کہا "جب دم نکلے گا"

سلسلۂ کلام یہیں تک پہونچا تھا کہ آکسفورڈ اسٹیشن آ گیا اور مجھے ان سے رخصت ہونا پڑا۔

www.taemeernews.com

نظم اردو کی مجمل تاریخ

مغلوں کی حکومت سے پیشتر ہی شمالی ہندوستان میں ایک زبردست اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی. ترکستان. ایران. اور افغانستان سے بہترے مسلمان شمالی ہند میں آبسے تھے ان نوواردوں کی زبان فارسی تھی اور یہاں باشندگانِ ہند اپنے معاملات میں مختلف پراکرت زبانوں سے کام لیتے تھے. علاقہ برج متھرا اور اس کے مضافات میں جو بولی رائج تھی اس پر فارسی کا بہت کچھ اثر ہوا. ابتداء میں تو محض چند عربی اور فارسی الفاظ نے اس میں جگہ پائی لیکن رفتہ رفتہ مصادر اور صیغے وغیرہ بھی زبان میں شامل ہونے لگے علاقہ برج کی زبان ایک مخلوط اور مرکب بولی بن گئی۔ مغلوں کی حکومت کے قیام کے بعد شاہان مغلیہ کی بے نظیر رواداری نے رعایا کو حکام کی زبان سیکھنے پر مجبور کیا اور ہندوؤں نے زبان اور رسوم معاشرت میں حکام کی ریس کی شہنشاہ اکبر کے طریقہ مالگزاری نے ہندو عہدہ داروں میں فارسی کا شوق پیدا کر دیا. کائستھوں نے فارسی زبان دانی میں ملکہ بہم پہنچایا آخر وہ وقت آگیا کہ علاقہ برج کی پراکرت بھاشا نئے رنگ و روپ میں ظاہر ہوئی۔

مسلمان اور درباری امراء صرف ضرورت کے وقت اس زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے کیوں کہ اُن کی نظر میں درباری اور ادبی زبان صرف فارسی ہی تھی. دہلی اور اس کے اطراف واکناف میں فارسی بعینہ اسی طرح مقبول تھی جیسی انگلستان میں نارمن

www.taemeernews.com

حکومت کے زمانے میں فروغ پا یا۔ فارسی داں مسلمانوں اور ہندوؤں کی کثرت سے اس نئی زبان کو ترقی کا موقع نہ ملا۔ لیکن جنوبی ہند یعنی علاقہ دکن میں اس جدید بولی کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے قطب شاہی اور عادل شاہی درباروں میں اس کو جگہ دی گئی یہاں ترکوں اور فارسی داں مسلمانوں کی کثرت نہ تھی اور ماحول بھی نہایت ہی مناسب تھا۔ مہاراشٹرا علاقہ میں مرہٹی بولی جاتی تھی جو علاقہ برج کی زبان سے چنداں مختلف نہ تھی اس لئے اس جدید بھاشا کے بھاگ کھل گئے صاحب تخت وتاج بادشاہ بھی اس زبان میں طبع آزمائی کا شوق رکھتے تھے۔ چنانچہ سولھویں صدی میں یہ جدید بولی اظہار جذبات کے لئے موزوں سمجھی گئی اور بعض دکنی شعراء نے طبع آزمائی کی۔ سترہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں قلی قطب شاہ فرماں روائے گولکنڈہ نے اپنا دکنی کلام مرتب کیا۔ جس میں مختلف اصناف شاعری کی مثالیں موجود ہیں۔ فارسی شاعری کی طرز پر ایک جدید زبان میں خیالات نظم کئے گئے ہیں موجودہ تحقیقات کی رو سے یہی پہلا باقاعدہ اردو دیوان ہے لیکن زبان کی صفائی اور سلاست سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے بہت پہلے ہی، اردو زبان نظم کے قابل ہوگئی تھی دکن کے ان علم دوست درباروں میں نصرتی، سیوا، نشاطی، مرزا وغیرہ شعراء کی خوب قدر ہوئی۔ یہاں تک کہ ولی دکنی نے نظم کے یہ نمونے دہلی پہنچائے۔ عہد عالمگیری میں اورنگ آباد کا یہ شاعر دہلی پہنچا۔ ولی کو وہاں کے قابل اشخاص کی صحبت نصیب ہوئی دہلی کی مہذب فضا اور منتخب شعراء فارسی کی صحبت کا ولی کی زبان پر نہایت عمدہ اثر ہوا۔ دکن کے بعض عجیب وغریب محاورات متروک ہوگئے رفتہ رفتہ قبولیت عام نے "اردو نظم" کی قدر بڑھادی۔ تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ شاہ حاتم کے مشہور شاگردوں نے زلف اردو کو سنوارا مرزا محمد رفیع سودا اور میر تقی میر نے زبان کو جلا دی۔ فارسی کے خیالات اور جذبات سے اردو کو روشناس کرایا۔ قصیدہ غزلیں اور مثنوی وغیرہ مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی ہونے لگی سودا نے الفاظ میں شان و شکوہ

www.taemeernews.com

اور ترکیبوں میں بندش اور حلاوت پیدا کی۔ میر نے شاعری کو جذبات کا آئینہ بنایا۔ درد اور سوز نے کلام میں خوبی پیدا کردی ان باکمالوں کے شاگردوں نے شاعری کی خدمت میں اپنی عمریں صرف کردیں میر درد نے صوفیانہ مضامین کو نہایت ہی دلچسپ پیرائے میں ادا کیا۔ میر حسن دہلوی نے زبان اردو میں لاجواب مثنوی لکھی کیا بلحاظ زبان کے کیا بلحاظ مضامین کے یہ مثنوی اب بھی بے مثل ہے۔ واقعہ نگاری کے نمونے اور فطرت انسانی کی سچی تصویریں اس مثنوی میں جا بجا ہیں مناظر کی خوبی اور جذبات نگاری میں پیرایہ بیان دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے غرض دہلی اور اس کے اطراف میں نظم اردو کا غلغلہ بلند ہوا، شاہ میر کی کوششیں ٹھکانے لگیں لیکن زمانے کی رفتار کہاں چین لینے دیتا ہے نادر شاہی لوٹ، درانی کے حملوں اور مرہٹوں کی تاخت نے اس عالم میں انتخاب شہر کو" ویران کر دیا" حکومت کی کمزوری اور امراء و رؤساء کی پریشانی نے بے چارے شعراء کے امن میں خلل پیدا کردیا اب وہ وقت آگیا کہ شعراء اس اجڑے دیار کو چھوڑ کر لکھنؤ کی جانب رخ کریں۔ نواب وزیر اودھ کا دربار شعراء کا قدردان تھا۔ امراء نے بھی شعر و شاعری کو اپنا دلچسپ مشغلہ بنا لیا۔ دہلی کے شہزادوں نے لکھنؤ میں پناہ لی۔ لکھنؤ میں چہل پہل نظر آنے لگی میر و سودا کے زمانے ہی سے شعراء نے لکھنؤ کی طرف تو یہ شروع کردی تھی۔ چنانچہ ان دونوں شاعروں کی عمر کا آخری حصہ لکھنؤ میں بسر ہوا یہاں مشاعروں نے شاعری کی آن بان کو قائم رکھا اور دہلی کے بعد اب لکھنؤ زبان کا مرکز بنا۔

اس لٹے ہوئے قافلے اور خانماں برباد گروہ کو لکھنؤ آئے ہوئے ابھی مشکل سے پچاس سال گزرے تھے کہ عہد شاہ عالم میں مرہٹوں کی بے دادی روہیلوں کے مظالم اور شاہ عالم کی کمزوری نے صفایا کردیا شریفوں کا ٹھکانا نہ رہا۔ رضعدار شعراء کے قدرداں اور سرپرست زمانے کے ہاتھوں برباد ہو گئے۔ مصحفی اور انشاء نے اپنے پیش رووں کی تقلید کی اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا۔ دہلی کے شہزادے بھی لکھنؤ آگئے پھر کیا

www.taemeernews.com

تھا شاعری کے دنگل قائم ہو گئے میدان داریاں ہوئیں۔ حریفوں نے خوب گاؤ زوریاں کیں۔ معرکے خوب ہوئے استادوں کی دھاک بیٹھ گئی مصحفی اور انشاء کی نوک جھونک نے خاص چہل پہل پیدا کر دی۔ عوام اور خواص بلا امتیاز مشاعروں میں شریک ہونے لگے شاعری ایک فیشن سمجھا جانے لگا۔ لیکن اس بھڑبونگ کے زمانے میں بھی انشاء اور مصحفی جیسے باکمالوں نے زبان کی خدمت ادا کی اور نظم اردو کے دائرے کو وسیع کیا۔ دہلی درباری رنگ طبیعتوں کا اضمحلال اور سوسائٹی کا اثر کچھ ایسا گہرا تھا کہ بہت آگے نہ بڑھ سکے اب لکھنؤ کی چلبلی طبیعتیں خاموش نہ رہ سکیں۔ ناسخ اور آتش کا غلغلہ بلند ہوا۔ غزل گوئی میں ان کی آتش بیانی کی دھوم رہی انہوں نے زبان کی اصلاح کی محاورات کو جانچا قدیم الفاظ کا استعمال چھوڑا اور ایک نکھری ہوئی زبان کا نمونہ پیش کیا لیکن افسوس ہے کہ الفاظ و محاورات کی ظاہری رنگینی میں اُلجھ کر رہ گئے لفظی رعایتوں میں معنی آفرینی کا خیال نہ رہا چنانچہ میر کے سادہ کلام اور دلسوز اشعار کو اس عہد کے شعراء کے کلام سے مقابلہ کر کے دیکھو تو فرق صاف ظاہر ہوگا۔ بندشوں اور ترکیبوں کے عشق نے شاعری کی اسپرٹ کو برباد کر دیا۔ دہلی میں بھی کیا تھا؟ یہی رنگ چڑھ رہا تھا۔ طبیعتوں میں اس کی طرف میلان پایا جاتا تھا۔ دور آخر میں یعنی انیسویں صدی میں مومن اور غالب نے معنی آفرینی کی مثال دکھائی۔ کلام کو لفظی رعایتوں کا پابند نہ رکھا غزل کو جذبات کا مرقع اور عمدہ خیالات کا مخزن بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کا کلام پسندیدۂ خاص و عام ہے۔ ذوق نے لفظ کی بہ نسبت معنوں کی زیادہ پروا نہ کی۔ محاورات اور بندشوں سے کلام کو سجایا۔ قصاید میں روانی اور شوکت پیدا کی لیکن الفاظ کی ظاہری چمک دمک چند روز میں مٹنے والی ہے غالب نے معنوں کو لفظ پر ترجیح دی۔ اس وجہ سے اب بھی ان کا کلام بے حد لطف دے جاتا ہے۔ داغ نے عشقیہ شاعری کو دہلی میں قائم رکھا اور

www.taemeernews.com

ان کے ہمعصر امیر مینائی نے لکھنوی روایات کو باقی رکھا اور ناسخ و آتش کی جانشینی کا حق ادا کیا زمانے کی تربیت اور سوسائٹی کے اثر سے امیر نے داغ کی طرز میں بھی لکھنے کی کوشش کی مگر کامیابی میں شبہ ہے موجودہ زمانے میں تلامذۂ جلال لکھنوی پیروان میر و داغ وغیرہ اس قدیم طرز کو نبھا رہے ہیں۔

اُنیسویں صدی میں لکھنؤ کے بعض شعرا نے مرثیہ نویسی کی طرف توجہ کی مرزا دبیر اور میر انیس نے اس شاخ کو معراج کمال پر پہونچایا۔ صرف مرثیہ ہی نہیں کہا۔ بلکہ اکثر جگہ مرثیوں میں میدان رزم کا حقیقی اور دلچسپ نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ انیس کے کلام میں بہ نسبت مرزا دبیر کے سلاست اور روانی زیادہ ہے سچ تو یہ ہے کہ شاعری کی اس صنعت کا خاتمہ ان دونوں شعرا نامدار پر ہو گیا۔

غدر کے بعد مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ تھکے ماندے مصیبتوں کے مارے یہ افلاس زدہ قوم کے افراد علم سے بے بہرہ تھے۔ چند ہمدردان قوم کے دل اس حالت کو دیکھ کر اُبل پڑے انگریزی حکومت کے ساتھ ہی طبیعتوں پر انگریزوں کی ادبیات وغیرہ کا اثر بھی آہستہ آہستہ ہو رہا تھا کہ آزاد نے لاہور میں جدید طرز کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی۔ اور مصرع طرح کے عوض خاص خاص مضامین پر شعراء کو طبع آزمائی کرنے کا موقع دیا۔ اردو شاعری کے دور جدید کے رہنما خواجہ حالی نے پھریری لی اور بآواز بلند کہا ؎

بلبل کی چمن میں ہم زبانی چھوڑی
بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے کہ دل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا
ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

حالی نے دیکھا کہ قوم کو متوجہ کرنے کے لئے شاعری کو آلۂ کار بنایا جا سکتا ہے اب

www.taemeernews.com

تک شاعری سے ایسا زبردست کام نہ لیا گیا تھا۔ حالی نے ایک جدید راستے کی بنیاد ڈالی اور سوتی ہوئی قوم کو اپنے دردانگیز مسدس سے بیدار کیا شاعری میں ملکی سیاسی قومی اور اخلاقی مضامین کو اہم درجہ دیا گیا یہ طرز جدید ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت ہی مقبول ہوئی۔ آزاد اور شبلی نے بھی نظمیں لکھیں۔ اب اس زمانے میں ڈاکٹر اقبال (مرحوم) اور اکبر مرحوم کے کلام نے ہر دلعزیزی حاصل کی اقبال کی جوشیلی قومی اور ملکی نظموں کا ملک کے ایک سرے سے دوسرے تک رواج ہوگیا اکبر الہ آبادی کے کلام کو ان کی بے نظیر دوراندیشی اور بے مثال ظرافت نے چار چاند لگادیئے۔ آج اردو شاعری اپنی جدید شاہراہ پر نہایت ہی آسانی سے رواں ہے۔ اب شاعری نے لکھنؤ اور دہلی کے محاورات اور قیود سے آزادی حاصل کی ہے زبان اب مقامی یا کسی خاص صوبے تک محدود نہیں ہے بلکہ ہندوستان بھر کی مشترکہ زبان ہے۔

اس سے پہلے کہ یہ مختصر سا مضمون ختم کردیا جائے یہ بتانا ضروری ہے کہ اردو شاعری میں کونسی خوبیاں ہیں اور آج کل ادبیات میں اس کا کیا درجہ ہے۔ مختلف حضرات نے اردو شاعری کو مختلف دور میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن سہولت کے لحاظ سے صرف دو حصوں میں تقسیم کرنا مناسب ہے قدیم و جدید اُردو شاعری سے نظم کا وہ سارا ذخیرہ مُراد ہے جو ابتداء سے غدر دہلی کے کچھ دنوں بعد تک شعرائے ہند کا "سرمایہ" بنا رہا اور جس کے بیشتر حصے کے متعلق خواجہ حالی کہتے ہیں۔

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر
عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بد تر

سچ تو یہ ہے کہ یہ حصہ نہ اس قدر حقارت کے قابل ہے اور نہ قابل فخر و ناز ہے مضامین کے لحاظ سے چند مطالب تک ہی شعرائے اردو کی طبع آزمائی محدود رہی فارسی کی تقلید کی لیکن ٹھیک نقل نہ اتار سکے چند شعراء نے تو اپنے کلام کو مجموعہ

www.taemeernews.com

خرافات بنایا۔ جرأت رند وغیرہ کے کلام کا بیشتر حصہ اس قابل نہیں کہ مہذب سوسائٹی میں بار پاسکے جو کچھ بھی ہو زبان اردو تو انھیں شعرا کی کمائی ہے آج بھی وہی محاورات اور وہی استعارے اسی قسم کی ترکیبیں اور بندشیں جدید خیالات کے لئے نہایت ہی موزوں ثابت ہوتی ہیں گل و بلبل شمع و پروانہ اور مینا کے متعلق استعارات ہی میں اقبالؔ اور اکبرؔ جیسے باکمال شعراء نے نہایت ہی پُر جوش اور اچھوتے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اب شعرائے اردو نے زیر بحث مضامین کو وسعت دی ہے۔ تاریخی اور سیاسی مضامین کو اس میں داخل کیا مناظر فطرت کی نہایت ہی عمدہ تصویریں الفاظ میں کھینچیں تاریخی واقعات کو نظم کیا قومی اور ملی خیالات سے نظم اردو کو روشناس کرایا بلکہ اب تو بعضوں نے قافیہ اور ردیف کی غیر ضروری بندشوں سے بھی نظم اردو کو آزاد کرانے کا تہیہ کر لیا ہے باوجود مختلف رکاوٹوں کے اردو شاعری نے گزشتہ صدی میں بہت ہی ترقی کی ہے اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ایک شاندار مستقبل ہے بیان مرحوم نے اردو شاعری کے متعلق جو کچھ کہا ہے بہت خوب کہا ہے قدیم شاعری کو خطاب کر کے کہتے ہیں: ؎

وہ رخصت ہوئے جن کی تو لاڈلی تھی
وہ مرمٹ گئے جن کے نازوں پلی تھی
کٹے وہ گلے جن کی چمپا کلی تھی
مٹے وہ چمن جن میں پھولی پھلی تھی
مٹی بادشاہت نیا دور ہے اب
زمیں اور ہے آسمان اور ہے اب
تری دھوم شاہوں کے دربار میں تھی
طلب بادشاہوں کے سرکار میں تھی

www.taemeernews.com

ہر ایک جشن شادی میں تہوار میں تھی
کہ برقی کشش تیرے ہر تار میں تھی

اور شعرائے جدید کو اس انداز میں خطاب کیا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ اب خیالات کی رو کس جانب ہے۔

بس اب من چلو چھوڑ دو اس چلن کو
کہ پلٹا ہے دنیا نے اک اک فیشن کو

دیا رنگ نیچر نے کیا کیا سخن کو
بدل دو نئے سر سے طرز کہن کو

تکلف کی بے کار زرتاریاں ہیں
کہاں گل کی رنگین میں گلکاریاں ہیں

---

www.taemeernews.com

مدراس کی اُردُو صحافت

اردو اخبارات کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ "ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے ان کی رونق" اور اس معیار سے ۱۸۵۸ء سے ۱۸۷۸ء تک ہندوستان اور بیرون ہند میں کئی ایک ایسے ہنگامے پیش آئے کہ مسلمانوں کو ان سے براہِ راست تعلق تھا اور اس لئے اس بست سالہ مدت میں کافی اخبار مدراس سے جاری ہوئے اور روز افزوں ترقی کرتے رہے۔ لیکن ۱۸۸۰ء کے بعد ایسے ہنگامہ خیز مواقع بہت کم پیش آئے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ۱۸۸۰ء کے بعد شائع ہونے والے اخبارات زیادہ مدت تک جاری نہ رہ سکے اور میدان مقابلہ میں یہ جدید اخبارات پُرانے اخبارات کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ ذیل میں ان اخبارات کے نام دیئے جاتے ہیں جو ۱۸۸۰ء سے ۱۸۹۰ء تک شائع ہوئے۔ ان میں سے اکثر ایک سال یا دو سال کے عرصے میں بند ہو گئے۔ ان کی اشاعت بھی غالباً محدود تھی اس لئے ان کے نمبر بھی نہیں ملتے، مصر و سودان کے معاملات اور مہدی سوڈانی اور خرطوم کی جنگ کے واقعات مسلمانان ہند کے لئے جاذب نظر تھے لیکن امن کے زمانے میں اکثر اخبارات نے بھی مناسب سمجھا کہ ہنگامے بیدا کئے جائیں چنانچہ انیسویں صدی کے آخری دور میں اخبارات کی جلدوں کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ معاصرانہ چشمک، جا و بیجا مدح و ذم، عیب جوئی

www.taemeernews.com

اور نکتہ چینی اور ناروا حملے وغیرہ ہی وہ وسائل تھے جن کے ذریعہ ان کی اشاعت کو بڑھایا جا سکتا تھا۔ مدراس کے اخبارات کے لئے اس سلسلہ میں دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ حیدرآباد کے اندرونی معاملات میں رائے زنی کی جائے جریدۂ روزگار کو اس سلسلے میں یہ کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ حکومت کی جانب سے غالباً ایک سو روپیہ کا ماہانہ وظیفہ جاری ہوا تھا اور اس کے علاوہ کافی تعداد میں خریدار بھی مملکت آصفیہ سے مل گئے تھے اس غیر متوقع کامیابی نے مدراس کے دیگر اخبارات کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ بھی جریدۂ روزگار کی تقلید کریں چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر مدراس سے کئی ایک اخبار جاری ہوئے لیکن انھیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی اور بہت ممکن ہے کہ انھیں یہ صد حسرت و یاس یہ کہنا پڑا ہو:

در محفلے کہ یاراں شرب مدام کردند
چوں نوبتے بما شد آتش بجام کردند

۱۸۸۱ء میں حکیم موسیٰ رضا صاحب کے فرزند حکیم محمد حسین صاحب نے ایک اخبار "احسن الجرائد" کے نام سے جاری کیا۔ مدراس میں اخبارات کی کثرت نے اب مختلف جماعتیں پیدا کر دی تھیں۔ ہر ایک اخبار کے حمایتی دوسرے اخبار کو بالخصوص کسی جدید اخبار کو حسد کی نظر سے دیکھا کرتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ اسے فروغ حاصل ہو اور اس کی بدولت ان کی اشاعت کو صدمہ پہنچے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپس میں چھیڑ چھاڑ نہایت معمولی بات تھی۔ "احسن الجرائد" کے مخالفین نے ذراسی تصحیف کے بعد اس کا نام "اخش[1] الجرائد" رکھا اور یہ پھبتی کچھ ایسی چسپاں ہوئی کہ اخبار کے بند ہونے کے ایک مدت بعد تک یہ نام عام طور پر مشہور رہا۔ حکیم محمد حسین صاحب فارسی اور اردو میں اچھی قابلیت رکھتے تھے

---

[1] اخش۔ زیادہ ناپاک۔

www.taemeernews.com

شعر و شاعری کا اچھا ذوق تھا. ان کی سرپرستی میں ایک انجمن بنام انجمن شعراء قائم کی گئی تھی جس کے سکرٹری میر صادق حسین صاحب تھے. ۱۸۸۴ء میں "احسن الجرائد" کے ساتھ انہوں نے "حدیقۃ الشعراء" نامی ایک گلدستہ بہ طور ضمیمۂ اخبار جاری کیا. یہ ہفتہ وار اخبار تھا اور ہر پنجشنبہ کو مطبع اعجاز محمدی میں طبع ہوکر ترملگھڑی ہائی روڈ مکان نمبر ۹ سے شائع ہوا کرتا تھا! اس اخبار کی تاریخ اجراء سے دو سال بعد ایک اور اخبار بنام "حاکم" مطبع انوری سے شائع ہونے لگا. یہ بڑی تقطیع کے صرف ایک ورق پر ہفتہ وار طبع ہوتا تھا. اس کے مالک و مہتمم محمد انور صاحب مالک مطبع انوری تھے. غالباً یہ اخبار بہت جلد بند ہوگیا. اس واسطے اس کے حوالے کسی اخبار میں نہیں پائے جاتے.

۱۸۸۶ء میں مدراس سے کئی نئے اخبار جاری ہوئے. ان میں سے بعض صرف چند مہینوں کے بعد ہی بند ہوگئے. جنوری ۱۸۸۶ء میں محلۂ ترملگھڑی میں ایک مجلس "انجمن احباب" کے نام سے قائم ہوئی تھی جس کے سکرٹری عبدالوہاب صاحب تھے. ان کی سعی و کوشش سے انجمن کی جانب سے "اتحاد" نامی ہفتہ وار اخبار نکلنے لگا. اس کے ایڈیٹر غلام غوث صاحب غالباً مطبع اتحاد کے مہتمم بھی تھے. اخبار کے مقاصد اور پالیسی کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے.

"تمامی خلائق پر فوائد و نتائج اتحاد کو ظاہر کردے گا. یہ اخبار خصوصی ترقی اسلام و خیرخواہی جمیع کافۂ انام میں مصروف رہے گا. اور رعایا کی فریاد کو گورنمنٹ کے گوش گذار کرے گا اور گورنمنٹ کے احکامات رعایا پہ ظاہر کرے گا. اور گورنمنٹ کے درمیان سلسلۂ اتحاد کو باقی رکھے گا اور عناد کا بیخ کن ہوگا. اور اپنے ملک اور دیگر ممالک کے سچے اور عبرت انگیز واقعات سنائے گا. اور ہر ملک کے اشیاء کے نرخ مشتہر کرے گا. جس سے

www.taemeernews.com

تجارت کو بہت ترقی حاصل ہو اور ہر ایک امر میں اپنی رائے آزادانہ ظاہر کرنے میں کوتاہی نہ کرے گا۔"

یہ اخبار جس محلے سے نکلتا تھا اس محلے سے ایک اور اخبار اسی نام کا "انجمن اسلامیہ کی سرپرستی میں چار پانچ مہینوں کے بعد جاری ہوا اور دونوں اخبار کچھ دنوں تک برابر نکلتے رہے۔

ہم نے ابھی اُوپر بیان کیا ہے کہ اخبارات کی کثرت نے اختلافات بڑھادئے تھے۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ اس دور کے اخبارات نے جس قسم کے نام اپنے لئے منتخب کئے ہیں ان میں خود ان کے مقاصد کی جھلک پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اتحاد کی اشاعت کے بعد ہی ایک اور اخبار اتفاق کے نام سے جاری ہوا۔ یہ ابتداء میں ہفتہ میں دوبار شائع ہوتا تھا۔ لیکن ۱۸۸۵ء میں اس کو روزانہ کردیا گیا۔ غالباً یہی مدراس کا سب سے پہلا روزانہ اردو اخبار ہے۔ اس اخبار کو انجمن اسلامیہ کے علاوہ امرائے مدراس کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس کے منتظمین نے مصارف کے بار گراں کو سنبھال لیا۔ آنریبل میر ہمایوں جاہ بہادر سی یس آئی انجمن اسلامیہ کے صدر تھے اور مدراس کے مسلمانوں کی قومی اور سیاسی تحریکات میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ سالانہ اجلاس انڈین نیشنل کانگریس منعقدہ کراچی ۱۹۱۳ء کے صدر نواب سید محمد بہادر انہی کے فرزند ارجمند تھے۔ نواب میر ہمایوں جاہ کے ہم نشینوں میں بھی قومی ہمدردی رکھنے والوں کی خاصی تعداد تھی۔ چنانچہ نواب صاحب کی تحریک پر جناب احمد محی الدین خان صاحب سکرٹری انجمن اسلامیہ نے اردو اخبار کے علاوہ مسلمانوں کے لئے ایک انگریزی اخبار کی ضرورت کو اچھی طرح سے محسوس کیا اور عہدہ داران انجمن کی تائید سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار

www.taemeernews.com

"مخزن" کے نام سے جاری کیا جو کچھ مدت کے بعد نصیر الدین صاحب گھٹالہ مدیر شمس الاخبار کے سپرد کیا گیا اور ایک مدت تک یہ شمس الاخبار کے ساتھ نکلتا رہا۔

۱۸۸۴ء کی ابتدا میں سید حسن رضا صاحب آتش نے ایک اخبار "دبیر مدراس" کے نام سے نکالنا شروع کیا۔ سید حسن رضا صاحب پہلے پہل مدرسۂ اعظم میں استاد تھے اور اس کے بعد کچھ دنوں تک سرکاری ملازمت میں مہتمم مدارس کے عہدہ پر فائز رہے۔ ان کی فارسی قابلیت مسلم الثبوت تھی۔ انھوں نے جنوری ۱۸۸۴ء میں محلہ رائے پیٹھ میں مطبع حسینی کے نام سے ایک جدید مطبع قائم کیا۔ اسی مطبع سے ہفتہ وار "دبیر مدراس" بڑی تقطیع کے بارہ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ دو تین مہینے کے بعد منشی محی الدین خان صاحب تسنیم نے یہیں سے "کرناٹک پنچ" جاری کیا۔ مدراس سے نکلنے والے اخباروں میں طلسم حیرت کے بعد یہ دوسرا ظریف پرچہ ہے جو عشرہ وار بہ طور ضمیمہ دبیر مدراس شائع ہوا کرتا تھا۔ ابھی ایک سال بھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ منشی محی الدین خان تسنیم نے مطبع حسینی سے غالباً قطع تعلق کرلیا اور مرزا قاسم بیگ کے مطبع ہدایت سے ایک اخبار دبیر ہند کے نام سے جاری کیا۔ جنوری ۱۸۸۵ء میں بہ طور ضمیمہ دبیر ہند ایک ہفتہ وار ظریفانہ اخبار نکالا جو "دکن پنچ" کے نام سے مشہور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں قیام مطابع و اجرائے اخبار کو ایک نہایت سہل کام سمجھا گیا تھا۔ جس بے سر و سامانی سے اخبار جاری ہوتے تھے اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ تاریخ اشاعت کے چند روز بعد ہی یہ بند ہو جایا کرتے تھے۔ ابتدائے اشاعت میں اِن کے لئے چند خریدار اور ہمدرد و معاون پیدا ہو جاتے تھے لیکن کچھ دنوں کے بعد ان کی سہل انگاری اور منتظمینِ اخبار کی بے توجہی کی بدولت اخبار کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی تھی۔

www.taemeernews.com

اپریل ۱۸۸۵ء میں مطبع گلزار بنگلور سے محمد ابراہیم صاحب طپش کے زیر اہتمام اخبار "باد صبا" نکلنے لگا۔ یہ تقریباً پندرہ سولہ سال تک کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ اپنی اشاعت کے دوران میں کچھ مدت کے لئے یہ ہفتہ میں چار دفعہ شائع ہوا کرتا تھا۔ طپش صاحب کی وفات کے بعد ان کے فرزند محمد اسمٰعیل نے اس کو جاری رکھا۔ آخری زمانے میں یہ شاید ہفتہ وار کر دیا گیا تھا۔ بنگلور سے اس اخبار کے علاوہ ایک اور اخبار "بنگلور اخبار" کے نام سے ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا رہا۔ ۱۸۸۶ء میں آرکاٹ (محمد پور) کے مطبع شوکت الاسلام سے شاہ عزیزالدین صاحب گھٹالہ نے ایک اخبار عزیزالاخبار کے نام سے جاری کیا۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب اپنے بعض خیالات کی وجہ سے بدنام ہو چکے تھے اس لئے اس اخبار کو فروغ حاصل ہو نہ سکا۔

انیسویں صدی کے آخری دس سال میں چار اردو اخبار مدراس سے شائع ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں مولوی نور اللہ حسین صاحب کے زیر ادارت اخبار "الہامی" نکلنے لگا۔ مولوی صاحب موصوف بلہاری صوبۂ مدراس کے مدرسۂ عربیہ کے فارغ التحصیل مستند عالم تھے۔ مدت تعلیم کے اختتام پر انہوں نے مدراس میں اقامت اختیار کی اور اخبار نکالنے کی تجویز کی۔ یہ اخبار ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا تھا۔ اسلامی ممالک کی خبروں کے علاوہ دلچسپ علمی مضامین اور غزلیں درج اخبار ہوتی تھیں۔ اس کی چھٹی جلد کے متفرق پرچوں کو دیکھنے سے پتہ لگتا ہے کہ انہوں نے یہ التزام کر رکھا تھا کہ ایک کالم میں "مذہبی امورات" اور ایک میں مشاہیر اہلِ اسلام کی سوانح عمریاں ایک کالم میں "عام سوالات" یا "امور عامہ" اور ایک میں "مذاق" کے عنوان قائم کئے جائیں اور ان کے ذیل میں مسلسل مضامین شائع ہوں اس کے بعد مدراس اور اضلاع صوبۂ مدراس سے متعلق خبریں ہوتی تھیں

www.taemeernews.com

اور آخر میں اسلامی خبروں کے عنوان سے ممالک اسلامیہ کی تازہ ترین خبریں مہیا کی جاتی تھیں۔ ہر مہینے کی آخری اشاعت میں مصرع طرح پر مختلف شعرائے مدراس و حیدرآباد کی غزلیں یا کبھی کبھی ان کے علاوہ ان کا غیر طرحی کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ مجموعی حیثیت سے اس امر کی کوشش کی جاتی تھی کہ ہر قوم کے مذاق والوں کے لئے یہ اخبار دلچسپ ثابت ہو چنانچہ مدراس میں اردو اخباروں کی ہر دلعزیزی میں نمایاں طور پر کمی ہونے کے باوجود یہ اخبار سات آٹھ سال تک کامیابی سے نکلتا رہا

"الحامی" کو نکلے ہوئے ابھی ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ایک اور اخبار بنام "بحر دکن" مدراس سے نکلنے لگا۔ یہ اپنی اشاعت اور شہرت کے لحاظ سے اپنے پیش رو اخبارات سے پیچھے نہ تھا۔ ۱۸۹۵ء میں سید عبدالقادر صاحب نے اس کو جاری کیا۔ یہ بارہ صفحوں پر مطبع سلطانی رانی پیٹھ میں ہفتہ وار چھپ کر شائع ہوتا تھا۔ اردو عبارت اور طرز تحریر کے لحاظ سے یہ اخبار مدراس کے اکثر اخبارات پر فوقیت لے جاتا ہے اس کے لکھنے والوں میں بہت سے قابل حضرات تھے۔ ان میں منشی محی الدین حسین صاحب اور سید علی قادری صاحب بہار تلمیذ شریف مدراسی و داغ دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اخبار کا اکثر حصہ ان حضرات کے قلم کا رہین منت رہا کرتا تھا۔ بہار ضلع نیلور کے مردم خیز قصبہ ادگیر کے رہنے والے تھے۔ فارسی اور اردو کے اچھے عالم تھے۔ شاعری کا خاصا ذوق تھا۔ ۱۸۸۶ء میں انہوں نے مدراس سے ایک ماہوار رسالہ "جلوۂ سخن" کے نام سے نکالنا شروع کیا تھا۔ اس میں علاوہ مختلف مضامین کے مدراس یونیورسٹی کے امتحانات کی فارسی کتابوں پر نوٹس اور ان کے مشکل مقامات کے حل موجود ہوتے

www.taemeernews.com

تھے۔ بہار صاحب یہاں کے ایک کہنہ مشق ادیب تھے۔ "مخبرِ دکن" کی اشاعت کے بعد مستقل طور پر ان کی خدمت حاصل کرلی گئی تھی۔ اور بعد میں ایک معقول مشاہرہ پر انھیں حیدرآباد روانہ کیا گیا تھا۔ وہ وہیں سے مملکت آصفیہ کے متعلق خبریں اور مضامین مہیا کر کے اخبار کے لئے روانہ کرتے تھے۔
جریدۂ روزگار سے اِس اخبار کی معاصرانہ چشمک تھی۔ عموماً یہ اخبار حیدرآباد کے معاملات پر سختی سے نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ حیدرآباد میں شمالی ہند کے اصحاب کے اثر و نفوذ سے یہ اخبار ہمیشہ بیزاری کا اظہار کیا کرتا تھا بلکہ اس سلسلے میں اس نے کچھ اس طرح کا پروپگنڈا کیا کہ یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ ملکی اور غیر ملکی کے جھگڑوں کو اس اخبار کی وجہ سے بہت کچھ فروغ حاصل ہوا۔ اس کی پہلی جلد کے مطالعہ سے حیدرآباد کے اندرونی معاملات اور مالی نظم و نسق پر کافی روشنی پڑتی ہے اعلیٰ حضرت مرحوم کی پیشی کے سکریٹری نواب سرور جنگ کے خلاف اس اخبار نے مسلسل مقالے لکھے "ایوننگ میل" بنگلور بھی غالباً نواب سرور جنگ کی پالیسی سے نالاں تھا اس لئے جا بجا "مخبرِ دکن" میں اس کے حوالے اور اقتباسات پائے جاتے ہیں۔
اس پہلے نمبر میں اخبار کی ضرورت اور اس کے فوائد پر بہ عنوان "ہم اور اپنا اخبار" ایک مفید مقالہ ہے جس میں سے ذیل کا اقتباس مدراس میں اردو اخباروں کی بے قدری پر شاہد ہے:-

"..... مگر ہماری قوم کے مذاق کی، افسوس! یہ کیفیت ہے کہ اخباروں کی طرف ان کے عظیم الفوائد اور کثیر المنافع ہونے کے باوصف یک سر مو التفات نہیں؛ ان کے مطالعہ کا حاشا شوق نہیں۔ یہی تو ایک بھاری وجہ ہے جو یہی گھر بیٹھے دُنیا کے حالات سے باہر رہتے اور قدردانی تو ایک طرف مُفت بھی ملیں تو تقویم پارینہ سے زیادہ رتبہ نہیں۔

www.taemeernews.com

ان سے پند ونصیحت لینے کا موقع نہیں ملتا ہے جب ہمیں اخبار ناموں کے مطالعہ کا شوق نہیں تو جن فوائد کو ہم ابھی بیان کر آئے ہیں اور جن سے ساری مہذب قومیں فائدہ اٹھا رہی ہیں ان سے ہم کیوں کر متمتع ہو سکیں گے۔ اور اقوام کی ترقی اور اپنے تنزل کا نقشہ ہماری آنکھوں میں کس طرح بیٹھ سکے گا؟

اس عبارت میں علامات وقف کا استعمال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مضامین نہایت احتیاط سے لکھے جاتے تھے اس کے ادارتی مقالے طویل اور پر مغز ہوا کرتے تھے۔ ذیل میں پہلی ششماہی کے مقالات کے عنوان درج کرتے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوگا کہ ان میں سے اکثر مضامین حیدر آباد سے متعلق ہوا کرتے تھے۔

(۱) رزیڈنٹ اور حیدر آباد کے ملکی امور۔ (۲) سر ولیم ہنٹر اور مسلمانان ہند۔ (۳) دینلاک اسکالرشپ۔ (۴) ریاست حیدر آباد کی بدنظمی (۵) آرمینیہ کے ادعائی مظالم (٦) ٹون ہال لورپول میں شہزادہ نصر اللہ خاں کی تقریب ضیافت میں قرأت قرآنی اور غصیلے متعصبانہ عیسائیوں کی تعریض (۷) حجاج کے جہازوں کا مسودۂ قانون (۸) ریاست حیدر آباد دکن اور اس کے بے جا مصارف (۹) قابل توجہ پیشی سکرٹری نواب سرور جنگ بہادر۔ (۱۰) عیسائیوں کا پھر مسلمانوں پر سخت ظلم (۱۱) قرآن مجید کا ترجمہ (۱۲) شہزادہ نصر اللہ خاں کے سفر کے مصارف (۱۳) حضور عالیہ نواب بیگم صاحبہ کرناٹک (۱۴) مسئلہ آرمینیہ پر پھر ایک سرسری نظر؛ (۱۵) اردو فارسی مترجم گورنمنٹ مدراس (۱۶) ہم اور پھر جدیدۂ روزگار (۱۷) جدیدہ شریف مدراس کا تقرر (۱۸) ایک قابل تقلید فیاضی۔

www.taemeernews.com

(۱۹) عیسائیوں کے ظلم و تعدی کا نمونہ (۲۰) لیجسلیٹو کونسل کے لئے مسلمان رکن (۲۱) مسئلہ شرکی۔

حیدرآباد کے متعلق بعض مقالات مسلسل دو دو تین تین نمبروں میں شائع کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اس اخبار کی ہر اشاعت میں ممالک محروسہ سرکار عالی کی بعض بد انتظامیوں کے متعلق دو ایک مضمون مراسلات کے تحت یا بسا اوقات سب ایڈیٹوریل کی حیثیت سے لازمی طور پر پائے جاتے ہیں ہم اور پھر جریدۂ روزگار" کے عنوان سے اس اخبار نے جو ایڈیٹوریل شائع کیا ہے اس کے اقتباسات ذیل سے اندازہ ہوگا کہ اس اخبار کی پالیسی حیدرآباد کے متعلق کیا تھی:

"ہمیں سخت تعجب ہے کہ ہمارے ہمعصر نے عمر بھر ایڈیٹری کی لیکن اڈیٹر کے فرائض اور اخبار کے اغراض و مقاصد سے انہیں اب تک خبر ہی نہیں ہوئی "چندیں مدت خدائی کردی ہنوز گاؤ خرا نشناختی" کی مثل ان پر صادق آتی ہے۔ ایڈیٹری اس کا نام نہیں کہ جھوٹی خوشامد کی جائے اور بے جا تعریفوں کے پل باندھے جائیں جیسا کہ اخبار جریدۂ روزگار کا مشرب ہے۔ ہمارا بدخواہ سلطنت بننا صاحب جریدہ نے صرف اس بنا پر ٹھہرایا ہے کہ ہم نے چند عہدہ داران سرکار نظام (خلد اللہ ملکہٗ و دولتہٗ) کی بعض بیجا کارروائیوں اور خود غرضانہ کاموں پر اعتراض کیا ہے۔ ذرا کوئی اس پیر مغاں سے پوچھے کہ آپ کا ارشاد یورپ والوں کی نسبت کیا ہوتا ہے کیونکہ یہی شغل ان کے رگ و پے میں بھی ساری ہے اور یہی شوق انہیں دن رات لگا رہتا ہے۔ دیکھئے کوئی روز ایسا نہیں گزرتا ہے جب کہ کسی نہ کسی اڈیٹر نے کسی لارڈ یا ڈیوک کی کارروائی پر نکتہ چینی نہ کی ہو اور ان کے

www.taemeernews.com

معائب کی تصویریں ملک کے روبرو کھینچ کر نہ رکھ دی ہوں۔ کوئی کم بخت دن ایسا نہیں بسر ہوتا ہے جب کہ لارڈ سالسبری یا لارڈ روزبری وغیرہ کے کاموں پر جرح و قدح نہیں ہوتی یا ان کو آڑے ہاتھوں نہ لیا جاتا ہو، لیکن انھیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ بدخواہ سلطنت ہیں اور بدنام کنندۂ والیٔ ملک بلکہ ان کے اعتراضوں پر نوٹس لیا جاتا ہے اور رغبت سے ان کی باتوں کو سنا جاتا ہے۔ مگر ہمارے مخاطب ہمعصر کا یہ حال ہے کہ ہم کو بدخواہِ سلطنت اسلامی و بدنام کنندۂ ملکِ آصفی بتاتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ ہم اپنا فرض منصبی برابر ادا کیا چاہتے ہیں۔"

جب تک مخبر دکن نکلتا رہا جریدۂ روزگار سے اس قسم کی معاصرانہ چشمک برابر جاری رہی تیس[۳۰] پینتیس[۳۵] سال تک یہ اخبار جاری رہا اور یہ اسی وقت بند ہوا جب کہ اس کے اڈیٹر مولوی عبدالقادر صاحب نے وفات پائی۔

مولوی سید علی صاحب بہار کے علاوہ اس اخبار کے مستقل مضمون نگاروں میں مدراس کے بعض اور قابل حضرات بھی تھے جن میں مولوی نظام الدین صاحب فخری، سلطان محمود صاحب اور حکیم محمد سعید صاحب چودھری قابل ذکر ہیں۔ موخرالذکر دونوں حضرات نے مخبر دکن کی ابتدائے اشاعت میں خاص دلچسپی کا اظہار کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہندوستان میں شکاگو کی کانفرنس کی تقلید میں مختلف مذاہب کی کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز تھی۔ مخبر دکن نے ان دونوں حضرات کی تائید سے اس سلسلے میں متعدد مقالے درج اخبار کئے۔ یہ دونوں حضرات مرزا غلام احمد قادیانی کے معترف و مداح تھے۔ اور اس وجہ سے اس اخبار نے بھی دفاع اسلام کے لئے مرزا صاحب کا نام پیش کیا۔ اس سلسلہ میں مولوی

www.taemeernews.com

محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی کے متعلق بھی کئی ایک مضامین شائع ہوئے۔ سلطان محمود صاحب مدراس میں مرزا صاحب کے متبعین میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ایک مدت تک وہ استرخاد فالج میں مبتلا رہے لیکن باوجود ان عصبی امراض کے وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک قادیانیوں کی حمایت میں مدراس اور بنگلور کے متعدد اخبارات میں مضامین شائع کیا کرتے تھے۔

مخبر دکن کے اس دور کے مضمون نگاروں میں حکیم محمد سعید صاحب چودھر اب تک بقید حیات ہیں۔[1] اور یہ مدراس میں قادیانی جماعت کے ممتاز فرد ہیں ان کی متعدد نظمیں مخبر دکن کے صفحات پر شائع ہوا کرتی تھیں۔ اس اخبار کی ابتدائی جلدوں کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس میں وقتاً فوقتاً علمی، ادبی اور تحقیقی مضامین بھی شائع کیئے جاتے تھے۔ بیسویں صدی کی ابتداء میں بھی اس اخبار نے اپنے بلند معیار کو بالکل اسی طرح باقی رکھا۔

۱۸۹۸ء میں اسد الدین احمد منیجر مطبع آصفی نے حکیم محمد سعید صاحب چودھر کی نگرانی میں سولہ صفحہ کا ایک ہفتہ وار اخبار "نیر آصفی" کے نام سے نکالنا شروع کیا۔ حکیم صاحب مدراس کے ان تجربہ کار طبیبوں میں سے ہیں جنہیں ڈاکٹری کے فن میں بھی خاص مہارت حاصل ہے ان کی کتابیں کلیات طب جدید اور تحقیقات ہیضہ وغیرہ چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ فن طبابت کے علاوہ اردو فارسی ادب میں بھی ان کا نہایت ستھرا مذاق ہے۔ ان کا اخبار نیر آصفی بلحاظ عبارت اور طرز تحریر کے مخبر دکن کے دوش بدوش تھا۔ جریدہ روزگار اور مخبر دکن کی ریس میں اس اخبار نے بھی اپنے بیشتر صفحات حیدرآباد

---

[1] ان کا انتقال ۱۹۴۴ء میں ہوا۔

www.taemeernews.com

دکن کے واقعات کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ تقریباً دس بارہ سال تک یہ اخبار پابندی سے شائع ہوتا رہا۔ عربی اور ترکی اخبارات کے تراجم بھی اس میں بہ کثرت شائع کئے جاتے تھے۔ بظاہر یہ قیاس غلط نہیں ہے کہ جناب سلطان محمود صاحب اور ان کے ہم خیال مضمون نگاروں کا مخبر دکن کے ارباب انتظام سے نباہ نہ ہو سکا ہوگا اور غالباً اس کی وجہ اختلاف عقائد تھی۔ چنانچہ نیرّ آصفی کا اجرا اور اس کے کالموں میں کہیں کہیں مخبر دکن پر دبی زبان سے اعتراض پائے جاتے ہیں۔ مملکت آصفیہ سے متعلق اس اخبار کی پالیسی بہ نسبت مخبر دکن کے جریدۂ روزگار سے زیادہ ملتی جلتی تھی اس اخبار کی ابتداء کے متعلق اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

"چونکہ ہمارا "نیرّ آصفی" جلسہ سالگرہ آفتاب سپہر آصفیہ سے خصوصیت خاص رکھتا ہے اور اس کا وجود پیوستہ موقعہ سالگرہ کے دن عالم شہود میں آیا جو واقفین سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت کی مسرت انگیز سالگرہ سے ہم کو سب سے زیادہ دلچسپی ہے اور ہم کوشش کریں گے کہ ہم سے اس رسم ہمایوں کے متعلق کوئی اہم فرد گذاشت نہ ہو اور جتنے بڑے بڑے جلسے اس تقریب میں ہوں ان کے اظہار سے ہم اپنے ناظرین کو مطلع کرکے رعایائے آصفیہ کی وفاداری وجاں نثاری اور اعلیٰ حضرت کی توجہات شاہانہ کی داد دیں اور ہم اپنے ایک اہم مسرت انگیز فریضہ سے سبکدوش ہوں۔"

باوجود اس کے کہ عہدہ داران ریاست حیدرآباد کی رضا جوئی اس اخبار کے پیش نظر تھی۔ اس کے کالموں میں بعض ایسے مضامین جن میں جائز تنقید کا پہلو نکلتا ہے، پائے جاتے ہیں چنانچہ چونتیسویں سالگرہ کے سلسلہ میں

www.taemeernews.com

اعلیٰحضرت مرحوم نے اخبارات کے ایڈریس کے جواب میں جو تقریر فرمائی ہے اس کے متعلق یہ اخبار رقمطراز ہے۔

"لیکن ہم یہاں کمال ادب سے عرض پرداز ہیں کہ جو آزادی ریاست آصفی میں اخبارناموں کو حاصل ہے وہ فی الحقیقت ایسی آزادی نہیں ہے جس کے وہ قانوناً اور انصافاً مستحق ہیں بلکہ وہ تو بدقسمتی سے سرفرڑ پیاٹرک کے رزیڈنسی میں نیست و نابود ہوگئی۔ ہمیں تاسف ہے کہ حضور عالی نے اس آزادی کی نسبت کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ لیکن ہمیں اعلیٰحضرت کے جواب کے پہلے فقروں سے یہ امید بنتی ہے کہ حضور عالی جائز آزادی اخبارات کو اپنے ممالک محروسہ میں بھی انھیں اصول پر مبنی سمجھتے ہیں جن پر وہ برٹش انڈیا میں قائم ہے۔ اگر حضرت اقدس کا یہ خیال ہے تو چشم ماروشن دل ماشاد"

جہاں اس اخبار نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے وہیں ذیل کا فقرہ بھی نظر آتا ہے جس میں غالباً مجزدکن کی طرف اشارہ ہے۔

"ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے بعض ہم عصر جو نفاق انگیز تحریروں میں خاص مذاق رکھتے ہیں۔ حضور انور کی اس سنجیدہ اور باوقعت سرزنش سے متنبہ ہوکر اپنی رفتار کو درست کریں گے۔ درحقیقت اخبار کا کام باہمی اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کا ہے نہ کہ افتراق و انفصال کا ۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

سالگرہ کے جشن و انتظامات کے متعلق اس اخبار نے اپنی اسی اشاعت میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے جس میں سے ذیل کی عبارت نقل کی جاتی ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں۔

www.taemeernews.com

"کتبے بہت کم اور اکثر غیر موزوں تھے اس قسم کا مذاق ہنوز کمی پر ہے۔
بہت جگہ شاہراہ اور دروازوں پر انگریزی میں دعائیہ جملے لکھے ہوئے تھے جو بعض اوقات مالکان مکان اور اکثر آئندگاں روندگاں کے علم و فہم سے خارج تھے۔ ڈپٹی کمشنر سمت بیدر کے دروازے پر یہ ذومعنی بیت دلچسپی سے دیکھی گئی

حضرت آصف کا عالم میں یہ فیض عام ہے
ہے ولادت کی خوشی یاں دفتر انعام ہے

بعض جگہ عجیب بھونڈا شاعرانہ مذاق دکھلایا گیا ہے۔ شاید اہل مذاق ہی خوب سمجھیں۔ راجہ مرلی منوہر بہادر کے ایک پڑوسی اپنی کا نہتی شاعری میں سالگرہ کی خوشی یوں مناتے ہیں:

مبارک گرہ ہو مبارک ہو سال
مبارک ہو تخت شہِ ذوالجلال

صفائی بلدہ کا کتبہ اگر بجائے نظم کے نثر میں ہوتا تو سالگرہ کے دن شاعری کا خون نہ ہوتا۔ .... راجہ مرلی منوہر کی دیوڑھی کے محاذی جو کتبہ نثر میں ہے وہ عام فہم سے خارج ہے اس کا درج کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ "سالگرہ" بہ فوج شاہ نظام الملک"

اپنے موضوع سے خارج ہونے کے خوف کے باوجود بھی اس اخبار کی ایک اشاعت شمارہ ۳۷ جلد ۹ (مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۶ء) کا ایک طویل اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے محض اس لئے کہ سنہ ۱۹۰۶ء میں اس اخبار نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر تقریباً بیس سال کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی کی صورت میں جلوہ گر ہوئی یہ اقتباس ایک کھلی چٹھی سے لیا گیا ہے جو مدار المہام سرکار عالی کے نام ہے اور اس میں "سالار جنگ اعظم کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور اس امر کی طرف

www.taemeernews.com

توجہ دلائی گئی ہے کہ "ریاست دکن کے متعلق چند ایسے قابل یادگار کام کئے جائیں۔ جو عمدہ اور مفید خلائق" ہو سکتے ہوں۔

" البتہ اتنی بات ضرور کہوں گا کہ زمانۂ حال کے مدبرین وحکماء کا قول فیصل یہی ہے کہ اعلیٰ تعلیم ہی ترقیات ملک وقوم کا باعث ہے اور خصوصاً وہ تعلیم جو فنون وحرفت کے متعلق ہو۔

اعلیٰ تعلیم سے یہ مُراد نہیں کہ ولایت جا کر بی اے یا بارسٹر ہو آئیں اور کوٹ پتلون پہنئے اور میز پر شراب وکباب اڑانے کی بُری لت سیکھ آئیں! بلکہ علوم دینی وعلوم مشرقی کے ساتھ فنون مغربی کو ملا کر ایک نئی طرز تعلیم کا آغاز کیا جائے جو ملکی ضرورتوں کو پورا کر سکے ملکی یونیورسٹی قائم کی جائے اور جملہ فنون کی حیدرآباد ہی میں زبان اردو میں تعلیم دلائی جائے۔ اکثر کتب کے تراجم ہو چکے ہیں۔ بقیہ کی تکمیل سررشتۂ علوم وفنون سرکار عالی سے کرانی چاہیئے۔

اپنے سررشتۂ تعلیم کی اصلاح وترقی فرمائیں۔ مثل ریاست بڑودہ کے یہاں بھی جبری تعلیم کا قانون جاری فرمایئے اور مذہبی تعلیم کا پرچہ مسلمانوں اور ہنود کے لیے امتحان مڈل میں لازمی قرار دے دیا جائے تاکہ ابتدائی جماعتوں میں پابندی کے ساتھ کام چلے اور ملک کی اخلاقی حالت جو بہت کچھ خراب ہو چکی ہے سنبھل جائے اور رفتہ رفتہ درست ہو جائے۔

جیسا کہ سرکار نے وعدہ فرمایا ہے (بوقت دورۂ اندور) ہر ضلع میں ایک ایک صنعتی وتجارتی اسکول قائم کر کے ملک کی مردہ صنعت کو از سر نو تازہ فرمائیں۔

اور بلدہ کے تمام مدارس فنون کو ترقی دے کر کالج بنا دیں اور ان میں زبان اردو میں تعلیم دلائی جائے تاکہ آپ کی خاص توجہ سے زبان اردو علمی ذخیرہ

www.taemeernews.com

سے معمور ہو کر آپ کی ممنون احسان بنے۔

سرکار! جب علی گڑھ والے اور اہل بنگال بھیک مانگ کر اپنی یونیورسٹیاں قائم کر رہے ہیں تو ہماری اتنی بڑی ریاست میں (خدا اس کو ابدالآباد قائم رکھے) یونیورسٹی کا نہ ہونا اور سلطنت نظام کو مدراس یا پنجاب یونیورسٹی کا محتاج بنا رکھنا ریاست کے لئے کس قدر ندامت بلکہ ذلت کا مقام ہے۔

سرکار! جب یہاں مذکورۂ بالا مدارس فنون مثلاً مدرسہ انجنیری، میڈیکل اسکول، فارسٹ اسکول، مدرسہ طب یونانی، مدرسۂ صنعت وحرفت وغیرہ کو ترقی دے کر بڑے پیمانے پر قائم کیا جائے گا تو خود بخود یونیورسٹی قائم ہو جائے گی۔"

مدراس کے اس دور میں شائع ہونے والے اخبارات کے پیش نظر ایک ہی چیز تھی اور وہ یہ کہ ریاست حیدرآباد کے متعلق خامہ فرسائی کی جائے اور اگر ہو سکے تو وہاں کے عہدہ داروں کی ہمدردی حاصل کی جائے۔ چنانچہ جولائی سنہ ۱۹۰۱ء میں ایک اردو ہفتہ وار اخبار "آفتاب دکن" کے نام سے سید جلال الدین صاحب گھائل نے جاری کیا یہ اخبار آٹھ صفحوں کا تھا اور مطبع عطاء الرحمٰن میں چھپ کر شائع ہوا کرتا تھا۔ مدراس کے اچھے شاعروں میں گھائل صاحب کا شمار تھا۔ وہ ایک مدت تک مدراس میں مقیم رہے۔ اپنی عمر کے آخر زمانہ میں مدراس سے منتقل ہو کر وانمباڑی چلے گئے اور وہاں اسلامیہ کالج کے اردو وفارسی کے استاد مقرر ہوئے۔ گھائل صاحب کی تحریر نہایت منجھی ہوئی اور با محاورہ ہوا کرتی تھی۔ ان کے اخبار (نمبر ۳ جلد ۱ مورخہ یکم اگست سنہ ۱۹۰۱ء) کے اداریہ سے جس کا عنوان "پرنس آف آرکاٹ اور تعلیم صاحب زادگان" ہے۔ ایک اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے۔ جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آج سے چالیس برس بیشتر مدراس کے اردو اخبارات اپنی زبان کے لحاظ سے

www.taemeernews.com

ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے اخبارات سے پیچھے نہ تھے ۔

جب کسی خوشحال مسلمان کو ہم مصروف تعلیم و تربیت دیکھتے ہیں تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور بے اختیار یہ دعا زبان پر آتی ہے کہ خداوندا تو اس کو اپنے مساعی میں کامیاب کر کیوں کہ ایک دن تھا کہ مسلمان چار دانگ عالم پر حکمران تھے ان کی سطوت اور ان کی صولت کا ڈنکا بجا چڑھا تھا۔ ان کی ترقیوں اور ان کی تدبیروں کا شہر بہ شہر شہرہ تھا۔ علوم میں یہ نامور تھے۔ فنون میں یہ افسر تھے ۔ ان کے اقبال کا ستارہ ثریا کے پار گزرتا تھا اور ان کی دولت کا آفتاب قطبین پر چمکا تھا اب جو دیکھئے بالکل کایا پلٹ گئی ہے۔ مقدمہ اُلٹا نظر آتا ہے۔ خاص کر ہندوستان میں مسلمان کہلانا بے علمی کا سرٹیفکیٹ ہے اور بے ہنری کا مصدقہ ۔ شاذ و نادر اگر کوئی پڑھا لکھا ہو تو النادر کالمعدوم سمجھا جاتا ہے ہر کہیں یہ ذلیل و خوار ہیں ۔ دولت تو ایک طرف قوتِ شبینہ کے لئے یہ محتاج اور سرگشتۂ روزگار ہیں۔ یہ ان کا ادبار صرف بے عملی اور کاہلی کی وجہ سے ہے۔ نہ تو انھیں علم کا شوق ہے اور نہ محنت کے یہ عادی۔ یہ تو عامۂ اسلامیہ کا حال ہے۔ اب امراء اور رؤسا کو دیکھئے، علم سیکھے ان کی بلا اور کسب کریں ان کے دشمن۔ چھالی کے بنجا در انا کی گودی سے کیوں اتریں۔ استاد دیوڑھی پہ آیا، انا نے گالیاں دیں اور اصیلوں نے صلواتیں سنائیں کہ نگوڑا استاد آتا ہے تو صاحبزادہ سہما جاتا ہے، ایسی پڑھائی کی ایسی کی تیسی! کیا کسی کی نوکری کرنی ہے کہ خواہ مخواہ علم سیکھیں؟ خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے آرام سے گزر سکتی ہے پھر تو بیچارہ معلم اپنا سا منہ لیا جاتا ہے۔ دلو بالفرض اگر کبھی نواب صاحب کی خاص خبرداری سے کسی دن مکتب میں بیٹھنا بھی نصیب ہوتا ہے۔

لہ نرم کپڑا جس پر بچہ کو لٹایا جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

ہیں حضرت جی رہ " الہٰی غنچۂ امید بکشائی" کی تسبیح لگائے رہتے ہیں۔ مگر یہاں کا غنچۂ دہن کھلتا ہی نہیں اور نہ یاں حرف سے آشنا ہوتی ہی نہیں آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی رہتی ہیں اور دل کا حال کیا پوچھنا۔ ع

" مراد خاص خاطر ہر یک استاد "

اس ایک روز کا مکتب میں بیٹھنا غضب ہو گیا پھر تو ہفتہ بھر جمعہ ہی رہے۔ یہ تو ابتدائی حال ہے۔ جب صاحبزادہ صاحب یہ دبال نکال لیتے ہیں تو البتہ کچھ سیکھتے ہیں، وہ کیا؟ پتنگ آپ اچھی طرح لڑائیں، گنجفہ آپ اچھا کھیلیں اور شاطر آپ کہلائیں، اگر کچھ پڑھیں لکھیں تو اس کی معراج یہی ہے کہ شاعر غرا کہلائیں اور جھوٹ بولنے اور خیالی پلاؤ پکانے کا تمغہ حاصل کریں جس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایک دو بطن میں اثاث البیت خالی ہو جاتا ہے ....."

اس اخبار میں کبھی کبھی نظمیں بھی شائع ہوا کرتی تھیں لیکن اخبار کا اکثر حصہ حیدرآباد دکن، ممالک اسلامی ہند و بیرون ہند کی خبروں کے لئے وقف تھا۔ بعد کے واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ اس اخبار کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور حسب امید عہدہ دارانِ ریاست کی سرپرستی میسر نہ ہو سکی۔ اس لئے اخبار بہت جلد بند ہو گیا۔

اس مختصر مضمون کو ختم کرنے سے پہلے انیسویں صدی کے آخری دور کے اخبارات کی دو ایک عمومی خصوصیات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے ۱۸۸۰ء سے ۱۸۹۰ء تک کا زمانہ مدراس میں اردو اخبارات کی ترقی کے سلسلے میں منتہائے عروج کا تھا۔ اس دور سے یہاں کی اردو صحافت کو بھی زوال شروع ہوتا ہے اب تک مسلمانان مدراس میں فارسی اور عربی تعلیم کا چرچا کافی تھا لیکن ۱۸۸۰ء کے بعد مسلمانوں کے اعلیٰ اور متوسط طبقہ کے افراد میں فارسی اور اردو کی جگہ

www.taemeernews.com

انگریزوں نے لے لی اور رفتہ رفتہ اُردو اخبارات کے دلدادہ حضرات کی تعداد میں خاصی کمی ہونے لگی۔ اس کے علاوہ کرناٹک کے انگریزوں کے حوالے ہونے کے بعد ہندو فارسی سے منہ موڑ چکے تھے ورنہ والا جاہی حکومت کے زمانے میں متعدد ہندو شعراء فارسی میں طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ ملک العلماء بحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی کے تلامیذ میں متعدد ہندوؤں کے نام پائے جاتے ہیں مدراس کی جامع مسجد جو مسجد والاجاہی کے نام سے مشہور ہے اس کے محراب پر فارسی قطعۂ تاریخ ایک ہندو فارسی دان شاعر کی موزونیٔ طبع کا نتیجہ ہے۔

۱۸۵۰ء سے پہلے مدراس کے پریسیڈنسی کالج سے کامیابی کی سند لینے والے طلبہ میں اردو و فارسی داں طلبہ کے نام پائے جاتے ہیں۔ ان واقعات کی بنا پر یہ قیاس غلط نہیں ہوسکتا کہ ابتداء میں ہندو بھی کافی تعداد میں اُردو اخبار کے خریدار رہے ہوں۔ لیکن تعلیمی انقلاب کی بدولت جس کی وجہ سے فارسی و اردو کی جگہ انگریزی کو ملی۔ اردو اخبارات کے عوض انگریزی اخبارات کی قدر بڑھنے لگی۔

اردو اخبارات کی مقبولیتِ عام اور کثرتِ اشاعت نے بہت سے بیکار انشاپردازوں کو اس امر کی طرف مائل کر دیا تھا۔ کہ وہ بھی اخبار جاری کریں اور اپنے ہمعصروں کی طرح فائدہ اٹھائیں لیکن خریداروں کی کمی اور اخبارات کی کثرت کی وجہ سے نفع کے عوض انھیں نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا۔

اکثر اخبارات بلند آہنگ دعوؤں کے ساتھ برآمد ہوتے تھے لیکن سرعت کے ساتھ یہ بند ہوجاتے تھے۔ اس سے عام طور پر یہ خیال پھیل گیا کہ اردو اخبار غیر مستقل اور ناپائیدار ہوا کرتے ہیں۔ اس خیال نے مدراس کی اردو صحافت کو بہت بھاری نقصان پہنچایا۔

ایک اور سبب جس کی وجہ اردو اخباروں کی اشاعت کو نقصان پہنچا

www.taemeernews.com

وہ مسلمانوں کی عام اقتصادی حالت سے متعلق ہے۔ غدر سے کچھ دنوں بعد تک مدراس کی سوسائٹی کا اعلیٰ اور متوسط طبقہ مسلمانوں پر مشتمل تھا لیکن مغربی تعلیم کی کمی کی وجہ سے روز بروز ان کی اقتصادی حالت پست ہوتی چلی گئی اور آخر کار ایسے افراد گنتی کے رہ گئے جو اردو اخبارات کی سرپرستی کر سکتے تھے ان اسباب پر یہاں کے اردو اخبارات کو تنزل نصیب ہوا۔ اس دور میں صرف دو چار ہی اخبار ایسے رہ گئے تھے جنہوں نے تمام دقتوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اپنی اشاعت بیسویں صدی میں بھی برابر جاری رکھی۔ ان میں شمس الاخبار، جریدۂ روزگار، طلسم حیرت، اور قاسم الاخبار قابل ذکر ہیں۔

البتہ جنگ عظیم کے دوران میں اردو روزناموں کی مقبولیت نے یہاں کی صحافت میں کچھ دنوں کے لئے جان ڈال دی۔ لیکن مضامین اور زبان کے لحاظ سے ان اخبارات کا معیار ایسا بلند نہ ہو سکا کہ وہ دوسرے صوبوں کے اخبارات سے مقابلہ کر سکیں۔ اس امر پر بے حد تعجب ہوتا ہے کہ جس شہر میں بیک وقت آٹھ دس کامیاب ہفتہ وار اخبار جاری رہے ہوں آج وہاں ایک بھی قابل ذکر ہفتہ وار اخبار ایسا نہیں ہے جو اپنی طباعت تحریر اور مضامین کے لحاظ سے دیگر صوبوں کے اخبارات کی برابری کر سکے اس امر کی ضرورت ہے کہ اس صوبہ کے اردو داں حضرات اس کی طرف توجہ کریں اور ہو سکے تو ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ جن کی وجہ سے ہمارے صوبے کی اردو صحافت روز بروز پست ہوتی جا رہی ہے۔

www.taemeernews.com

ملیبار اور ماپلہ مسلمان

ملیبار صوبۂ مدراس کی مغربی سرحد پر جنوبی ہند کا ایک ساحلی علاقہ ہے جو بحرِ عرب پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں جنوبی کنارا مشرق میں دیسی ریاستیں کورگ اور میسور، نیلگری اور کوئمبتور واقع ہیں۔ جنوب میں کوچین اور ٹراونکور کی دیسی ریاستیں ہیں۔ مغربی جانب بحرِ عرب ہے۔ اس تمام علاقہ کو جہاں ملیالم بولی جاتی ہے کیرلا یا کیرالا کہتے ہیں۔ اس نام کے اشتقاق کے متعلق میں نے یہ سنا ہے کہ اس لفظ کے پہلے حصے کے معنی ملیالم میں ناریل کے ہیں۔ اور کیرالا سے مراد وہ ملک ہے جہاں ناریل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ یہ قدیم ترین نام ہے اور اب ہندو مسلمان اس علاقے کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیرالا کے دو حصے ہیں، ایک تو انگریزی کیرالا جس میں دو ضلع شمالی ملیبار اور جنوبی ملیبار واقع ہیں۔ اور دوسرا دیسی کیرالا جس میں کوچین اور ٹراونکور کی ریاستیں شامل ہیں۔ اس علاقے میں ناریل کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ سپیاری کے درخت بھی جا بجا پائے جاتے ہیں۔ کالی مرچ کی بیلیں اس ملک میں بکثرت ہیں۔ ان پیداوار کی وجہ سے عرب تاجروں نے سب سے پہلے اس ملک میں قدم رکھا۔ بعض تاریخی شواہد پر یہ گمان صحیح

www.taemeernews.com

سمجھا جاسکتا ہے کہ اسلام کے قبل بھی ان سواحل پر عربوں کی آمدورفت تھی۔ یمن اور ملک شام کی منڈیوں میں یہ چیزیں پہنچانے والے عرب جہاز راں ہی تھے۔ اسلام کے ظہور کے بعد اموی اور عباسی حکومت کے زمانے میں جب تجارت کی ترقی تھی تو عرب جہاز راں ایک کثیر تعداد میں ان سواحل کو آیا کرتے تھے۔ اور یہاں سے کالی مرچ اور دیگر اشیاء خرید کر کے دنیائے اسلام کی مختلف تجارتی منڈیوں میں پہنچایا کرتے تھے ان سواحل پر مسلمانوں کی آمد کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں۔ مجھے اس جگہ تاریخی روایات کی تنقید مقصود نہیں ہے۔ بعض روایات کی بناء پر مسلمان سنہ۲۰ھ کے بعد ہی ملیبار پہنچے ہیں۔ اور ان سواحل پر ایک جگہ سنہ۲۴ھ کا کتبہ اس امر کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے لیکن خود اس کتبہ کے ہندسوں کے متعلق شبہ ہے کہ وہ محض سنہ۴۱ھ ہے یا اس کے پہلے یا بعد کوئی اور ہندسہ بھی تھا۔ بعض مورخین کی روایت کے مطابق کرڈانگلور سب سے پہلا مقام ہے جہاں مسلمان پہنچے ہیں۔ ملیبار میں اس کے متعلق مختلف روایتیں زباں زد خاص و عام ہیں حضرت مالک بن دینار کا بھی ان سواحل سے کچھ عجیب و غریب تعلق ہے۔ ملیبار میں تقریباً چھ یا سات مقام پر مالک بن دینار اور ان کے فرزندوں کی بنائی ہوئی مسجدیں بتائی جاتی ہیں۔ اور تقریباً وہی مقامات پر ان کی قبر بھی بتائی جاتی ہے۔ بعض زبانی روایتوں کی بنا پر ایلا ملے یا ہیلی مونٹ میں صحابہ کی قبریں موجود ہیں محکِ درایت پر ان سب روایتوں کو جانچنے کے بعد اصلی امر کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے۔ کیوں کہ ملیبار کے متعلق سوائے تحفۃ المجاہدین کے اور کوئی کتاب نہیں ہے جس کو ملیبار کی صحیح اور

www.taemeernews.com

مستند تاریخ کہا جائے۔ لوگن (LOGAN) نے ان جملہ ماخذوں کو پیش نظر رکھ کے ایک ناقدانہ تاریخ لکھی ہے۔ جو اکثر جگہ نہایت ہی عمدہ ہے۔ لیکن غائر نظر سے مطالعہ کرنے والوں کے لئے اس میں بھی بہت سے امور تنقیح طلب نظر آئیں گے۔ بہر حال میں اس جگہ لوگن کے خیال کے مطابق اس روایت کو زیادہ صحیح سمجھتا ہوں جس کی رو سے ۱۶۶ھ میں مالک بن حبیب نامی کسی بزرگ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قدم آدم کی زیارت کے لئے جزیرۂ سیلون کے سفر کا ارادہ کیا تھا۔ راہ میں ملیبار پہنچے اور یہاں کے راجہ سے ملاقات ہوئی اور اس کے عمدہ سلوک کی بنا پر مسلمانوں نے یہاں قیام کیا۔

جس طرح سب سے پہلے مسلمانوں کی آمد کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ اسی طرح سب سے پہلے راجہ کے اسلام کے متعلق بھی متعدد روایتیں سنی جاتی ہیں۔ بعض تو وہاں کے راجہ چیرامن پیرومال یا چیرم پرمال کے اسلام کو معجزۂ شق القمر کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ اور بعض دوسری صدی ہجری میں مالک بن حبیب اور ان کے ہمراہیوں کی تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں یہ روایت زیادہ قرین قیاس ہے کہ ۱۶۶ھ میں مسلمانوں کی اس جماعت نے جو زیارت گاہِ مہبط آدم کے لئے چل نکلی تھی راجہ کو اسلام کے اصول اور مبادی سے آگاہ کیا۔ راجہ مخفی طور پر مسلمان ہو گیا تھا۔ اور مدینۂ منورہ کی زیارت کے شوق میں ملک کے مختلف حصوں کو متفرق امراء میں تقسیم کرنے کے بعد سواحل ملیبار سے روانہ ہو گیا۔ تین چار سال تک ملک عرب میں رہا۔ واپسی کے وقت یمن کے قریب ظفار نامی ایک شہر میں انتقال ہوا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اس موضوع پر اتنی کہانیاں زبان زد خاص

www.taemeernews.com

دعام ہیں کہ ان کو ایک جگہ جمع کرنے سے اچھا خاصہ مجموعہ ملیبار کے متعلق (FOLKLORE) کا جمع ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا مختلف روایتوں سے یہ امر مستنبط ہو سکتا ہے کہ مسلمان ان سواحل پر ۱۲۶ھ کے لگ بھگ پہنچ چکے تھے۔ اور بعض ان میں سے اس جگہ مع اہل و عیال رہنے سہنے لگے تھے۔ ایک روایت کے مطابق بعض عرب جنوبی ہند اور سراندیپ میں پہلی صدی ہجری ہی میں آبسے تھے۔ اور ان میں سے بعض غربت زدوں کو جنوب کے کسی راجہ نے مع تحایف حجاج کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ تاکہ مصالحت قائم رہے۔ راہ میں خلیج کھمبایت کے پاس بحری قزاقوں نے لوٹ لیا۔ اور ان کی سرکوبی کے لئے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں اسلامی افواج نے سندھ پر حملہ کیا۔ کیوں کہ راجہ نے ان بحری قزاقوں کو پناہ دینے کی کوشش کی تھی۔ ان سب شہادتوں کی بناء پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں مسلمان سواحل ملیبار پر رہنے سہنے لگے تھے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی آمد اور عہد بہ عہد ترقی سے میرے موضوع کو چنداں تعلق نہیں ہے۔ مجھے اس جگہ صرف بعض چشم دید واقعات بیان کرنا ہے۔ جو شاید ناظرین سفینہ کے لئے دلچسپ ثابت ہوں۔

ملیبار کی مسلم آبادی تقریباً بارہ لاکھ سے زائد ہے یہاں کے مسلمانوں کو ماپلہ کہتے ہیں۔ ماپلہ کے اشتقاق کے متعلق متضاد اور مختلف روایتیں ہیں۔ اکثر اس کو "مہاپلہ" کا مخفف سمجھتے ہیں۔ جو ملیالم زبان میں ایک بزرگ انسان کے مترادف ہے۔ بعض اس کو "ماپلہ" سمجھتے ہیں۔

لے گورنمنٹ محمڈن کالج کا اردو رسالہ

www.taemeernews.com

جس کے معنی ماں کا بچہ ہیں۔ عرب اور نوواردا کثر تھوڑی مدت کے لئے ان سواحل پر قیام کرتے تھے اور بسا اوقات دیسی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے۔ اور روانگی کے وقت طلاق دے کر جایا کرتے تھے۔ اس لئے لڑکے اکثر ماں کی جانب منسوب ہوتے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ وجہ تسمیہ یہی ہو۔ کیوں کہ اس سبب کی تائید ایک اور وجہ سے ہوتی ہے کہ ملیبار میں مسلمانوں میں وراثت کا عجیب قائدہ جاری ہے۔ جس کی رو سے بھانجا ماموں کے املاک کا وارث ہوتا ہے۔ والد کی وراثت سے اس کو کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ہندو قانون میراث کا اثر ہو۔ بعضوں نے اس کو ایک معزز خطاب کے مترادف سمجھا ہے۔ نوواردوں کو راجہ نے زمینات وغیرہ دیں اور انھیں اس خطاب سے یاد کیا۔ ایک اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ ٹراونکور اور کوچین کی ریاستوں میں عیسائیوں کو بھی "ماپلہ" کہا جاتا ہے۔

علاقۂ ملیبار میں غیر مسلم بھی بہ کثرت آباد ہیں۔ لیکن ماپلہ مسلمانوں کی آبادی کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ ملیبار کی جملہ آبادی کا ایک تہائی حصّہ صرف ماپلہ مسلمان ہیں۔ اور شاید صوبۂ مدراس کی مسلم آبادی کا ایک تہائی حصّہ اضلاع ملیبار کوچین اور ٹراونکور میں آباد ہے۔ علاقۂ ملیبار کی سرسبزی، و شادابی تجارت اور بندرگاہوں کی کثرت عربوں کے قیام کا باعث ہوئیں۔ بعض تجار اور مشاہیر خاندانوں نے یہیں کی سکونت اختیار کی۔ اور بعضوں نے اپنی ہمیشہ آمد و رفت کی وجہ سے اس کو اپنا دوسرا وطن بنالیا۔ دیسی راجوں اور مہاراجوں کی بے تعصبی نے عربوں کے مناصب اور مراتب بڑھا دیئے۔ اور اسلام رفتہ رفتہ پھیلنے لگا اس کے علاوہ ملیبار میں برہمنوں کا نیچ ذاتوں سے برا سلوک بڑی حد تک اسلام کی

www.taemeernews.com

اشاعت کا موجب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج اس علاقے میں بہ کثرت مسلم آباد ہیں۔

ماپلہ مسلمانوں میں بہ لحاظ نسب و خاندان دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو شمالی ملیبار کے بعض شریف خاندانی ماپلے جو اپنے آپ کو خالص عربی نسل سمجھتے ہیں اور ایک جنوبی اور اندرونِ ملیبار کے وہ مسلمان جو زیادہ تر مقامی ہندو ہیں جنہیں مسلمان بنایا گیا۔ ان دو قسموں کے علاوہ بعض ایسے ماپلے مسلمان بھی ہیں جن میں عربی اور دیسی خون دونوں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریف اور خاندانی ماپلوں میں عربوں کی اور سامی اقوام کی مشابہت صاف طور پہ پائی جاتی ہے اور جنوبی ملیبار کے باشندوں میں دیسی غیر مسلم اقوام کی مشابہت موجود ہے۔ ماپلوں میں امتزاجی اثر کا پتہ بہت ہی آسانی سے لگتا ہے قدیم اور مشہور خاندانوں کے افراد گورے، چِٹے، موزوں اندام اور خوب صورت ہوتے ہیں۔ چہرے کی ساخت کے لحاظ سے عربوں کے چہروں سے بہت کچھ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اندرونِ ملیبار کے ماپلہ مسلمانوں اور دیگر غیر مسلم قوموں میں بہت ہی کم فرق پایا جاتا ہے۔

جسمانی حیثیت سے ماپلے علی العموم میانہ قد مائل بہ پستی گندمی رنگ کے طاقتور اور نہایت ہی مضبوط کاٹھی کے ہوتے ہیں۔ اکثر دُبلے پتلے ہوتے ہیں مگر نہایت ہی محنتی اور جفاکش ہوا کرتے ہیں۔ زراعت اور تجارت پر اس قوم کے اکثر افراد کا دارو مدار ہے بہت سے پیشہ ور بھی ہیں لیکن غریب ماپلوں کا ایک بہت بڑا حصّہ ماہی گیری اور کشتیوں میں ملازمت پر زندگی بسر کرتا ہے مزدور پیشہ جماعت میں زیادہ تر ماپلے پائے جاتے ہیں۔ چونکہ جنوبی ملیبار میں نسبتاً زیادہ غریب مسلمان آباد ہیں۔ یہاں

www.taemeernews.com

ماپلا اکثر کھیتی باڑی کیا کرتے ہیں یا کھلیاں کے وقت زمینداروں کے
یہ مزدوری پر کام کیا کرتے ہیں. یا بازاروں اور بندرگاہوں میں مزدور
پیشہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے ہیں.

جنوبی ملیبار میں افلاس اور تنگدستی اور لاعلمی و جہالت کا بھی
عام دور دورہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی تعصب کا اثر زیادہ
تر ان علاقے میں پایا جاتا ہے. عام اقتصادی حالت اس قدر گری ہوئی
ہے کہ ... کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے. بالخصوص سنہ ۱۹۲۱ء کی شورش
کے بعد اس علاقے میں مسلمان زیادہ تر افلاس اور فلاکت کا شکار ہوئے
رہے. تنگدستی کی مثالیں ہر جگہ ملتی ہیں. اور یہ واقعہ ہے کہ ماپلے فطرتاً
... کفایت شعار واقع ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایسی پست
فقیرانہ حالت کے باوجود اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں. سادہ لباس اور
سادہ غذا کے عادی ہیں. ضروریات زندگی کے علاوہ غیر ضروری تکلفات
سے ... رہا کرتے ہیں. البتہ شمالی ملیبار کی حالت کچھ اس سے مختلف
ہے. یہاں کامیاب تاجر، مشہور زمیندار اور بڑے مالدار ماپلے
موجود ہیں. اور عام ماپلوں کی حالت بھی نسبتاً اچھی ہے. تعلیم کا بھی چرچا
ہے. یہی وجہ ہے کہ یہاں اس کفایت شعار قوم کے افراد تکلفات زندگی
کی طرف مائل نظر آتے ہیں. اقتصادی پستی کا یہ عالم ہے کہ ترور اور اس
کے قرب و جوار میں میں نے صدہا ماپلوں کو بازاروں میں، مسجدوں میں
عام مجلسوں میں اور گذرگاہوں پر اس حیثیت سے دیکھا ہے کہ ایک
... ولی سا سفید کپڑا بطور لنگی باندھ لیتے ہیں جس کو ملیالم زبان میں "منڈو"
کہتے ہیں. اور کبھی کبھی ایک اس سے چھوٹا سا ٹکڑا کندھے پر بھی ڈال لیتے ہیں

www.taemeernews.com

مسجدوں میں ننگے سر ننگے بدن اسی ہئیت کے ساتھ نمازوں میں شریک رہا کرتے ہیں۔ اور اسی حیثیت سے باہر بازاروں میں پھرتے ہیں۔ اس کا اصلی سبب ان کا افلاس ہے۔ غذا بھی بالکل معمولی استعمال کیا کرتے ہیں۔ پست طبقے کے اکثر غربا "پیج" استعمال کرتے ہیں گویا پیج پیج عملی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ "پیج پی ہزار نعمت پائی"

شمالی ملیبار میں ماپلوں کی اقتصادی حالت اس قدر گری ہوئی نہیں ہے یہاں بہت بڑے بڑے مالدار اور زمیندار پائے جاتے ہیں۔ نصف صدی کے پہلے ان مقامات میں سوائے مسلمانوں کے دوسرے کوئی مالدار یا زمیندار نظر نہیں آتے تھے۔ لیکن اب غیر اقوام نے بہت کچھ اپنی مادی حالت کو سنوارا ہے۔ اور اس عرصے میں اکثر مالدار اور زمیندار ماپلوں نے رسوم و رواج کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا گھر آپ پھونک کر تماشا دیکھا ہے لیکن اب بھی ان مقامات میں ملیبار کے مشہور ترین زمیندار اور تاجر مسلمان ہی ہیں۔ ان علاقوں میں عام ماپلوں کی حالت بھی اچھی ہے۔ زیادہ تر تاجر پیشہ ور اور زراعت کرنے والے ہیں۔ ساحلی مقامات کے باشندے ماہی گیری اور کشتی رانی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ لباس بھی یہاں کا نسبتاً مہذب ہے۔ سفید لنگیاں جن کے کناروں پر کچھ رنگین کنگورے دار بوٹے بنے ہوتے ہوتے ہیں جن کو ملیالم میں "کاچی" کہتے ہیں۔ علی العموم استعمال کی جاتی ہیں۔ خوشحال افراد دو تین تہوں کی لنگیاں استعمال کرتے ہیں۔ صرف قمیص یا قمیص پر کوٹ کا استعمال عام طور پر رائج ہے۔ کپڑے کی ٹوپیاں جو لکھنؤ کی پچگی کی ٹوپیوں سے کچھ کچھ مماثلت رکھتی ہیں اوڑھ لیا کرتے ہیں۔ ان کو عجیب طریقے سے استری کیا جاتا ہے۔ لیکن کہیں طبقہ متوسط کے افراد ترکی ٹوپیوں

www.taemeernews.com

کا استعمال بھی کیا کرتے ہیں۔ بعض خاص طبقوں میں عماموں اور پگڑیوں کا رواج بھی ہے۔ علی العموم لباس میں کفایت شعاری کی جھلک پائی جاتی ہے۔ شمالی ملیبار میں عام اقتصادی حالت اچھی ہونے کی وجہ سے لباس میں بہت کچھ فرق پایا جاتا ہے۔

مالیوں کی اقتصادی حالت کا اثر سب سے پہلے ان کی تعلیم پر ہوا ہے۔ ضروریات زندگی کی وجہ سے مجبور ہوکر بچوں کو کم سنی کے زمانے ہی سے محنت اور کمائی کی عادت ڈالی جاتی ہے۔ غریب اس وجہ سے تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ متوسط درجے کے لوگ اپنی اولاد (خدا کے فضل سے مالیوں میں نسل کی افزائش خاصی ہے) کی تعلیم کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔ امرا اور خوش حال لوگ تعلیم کی طرف اس وجہ سے متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ انگریزی تعلیم کو اپنے عندیے میں بے دینی اور الحاد کا زینہ سمجھتے ہیں۔ اور عربی تعلیم کو نقرو فاقہ کا پیش خیمہ جانتے ہیں۔ اس لئے جہالت میں گھرے رہنا اور خاندانی دولت کی حفاظت کرنا اور جفاکشی کے ساتھ مزید دولت پیدا کرنا زندگی کے بہترین مقاصد سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی معنوں میں علوم وفنون کے بازار اس علاقے میں کاسد ہیں۔ کس قدر حسرت کی بات ہے کہ سارے علاقے میں مسلمانوں کا صرف ایک ہی ہائی اسکول ہے اور وہ بھی کس حالت میں، مالی حالت مخدوش اور طلباء کی تعداد ناکافی، ایک اور ثانوی اسکول کھلا ہے جو ہائی اسکول کے درجہ تک نہیں پہنچا، عربی مدارس میں جمود کا یہ عالم ہے کہ علماء اور اساتذہ ہر اصلاحی تحریک کو نہایت ہی خوفناک نظروں سے دیکھتے ہیں۔ سالہا سال کے قدیم طریقۂ تدریس وتعلیم پر عمریں ضائع کرنا اپنی مایہ الفخر خصوصیت سمجھتے ہیں۔ طالب علموں کی عمر

www.taemeernews.com

کے بعض بہترین سال محض صرف ونحو کے مسائل یا لفظی مباحث کے یاد کرنے
میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد مسائل فقہیہ جزئیات اور فروعات
کی تعلیم میں چند سال صرف کیئے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر طلباء
تفسیر و حدیث اور ادب وغیرہ سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں عربی اور...
تو ایک طرف اپنی مادری زبان ملیالم کی تعلیم بھی جیسی چاہیئے ویسی نہیں ہوتی
بلکہ ملیالم میں کمال بہم پہنچانا اپنی قوم میں مطعون بننا ہے۔

ماپلوں میں تعلیم رائج نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے خطرات رونما
ہو چکے ہیں۔ اب خود اسی قوم کے سمجھ دار افراد ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے
ہیں کہ عام طور پر اشاعت تعلیم ہو۔ لیکن ان کو اس راہ میں وہی مشکلات
درپیش ہو رہی ہیں جو ابتداء میں اس قسم کے مصلحین کو پیش آیا کرتی ہیں۔
شاید یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ آج کل ماپلے بہ لحاظ تعلیم اس درجے پر ہیں جن
پر کہ تقریباً پچہتر سال پہلے ہندوستانی مسلمان تھے۔ غدر کے بعد
مسلمانوں کی جو ابتر حالت تھی اس کا دھندلا سا نقشہ جنوبی ملیبار کے
مسلمانوں میں نظر آتا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان شاید ہی ایک درجن
سے زیادہ ہوں۔ تقریباً بارہ لاکھ مسلمانوں میں بارہ اعلیٰ تعلیم یافتہ
نوجوان کیا یہ حیرت انگیز نہیں ہے، کالجوں میں جتنے ماپلے پڑھ رہے
ہیں وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ علوم اسلامیہ کے ماہر بعض نہایت ہی
مشہور علماء ماپلوں میں موجود ہیں، لیکن اس دور کے بعد اس طبقے میں
ان کے جانشین صحیح معنوں میں پیدا ہونا محال ہے۔ آج کل مختلف انجمنوں
کی وجہ سے ماپلے تعلیم کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ لیکن رفتار ترقی نہایت
سست ہے۔ ملیالم زبان کے بعض بہترین ادیب مسلمانوں ہی میں پائے جاتے

www.taemeernews.com

ہیں۔ عام طور پر ماپلے ملیالم میں گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن اس میں بکثرت عربی الفاظ داخل ہو جاتے ہیں۔ مسلمان ملیالم زبان کو عربی حرفوں میں لکھا کرتے ہیں اس کو "عرب ملیالم" کہا جا سکتا ہے۔ ایسے زمانے میں جب کہ صدیوں سے عربی حروف کے لکھنے والے ان کو ترک کر رہے ہیں۔ اور لیٹن حروف کا استعمال ضروری سمجھتے ہیں، ماپلوں کا ملیالم زبان کی تعریف یقینی دلچسپ ہے۔ اضلاع ملیبار میں بہت کم لوگ تامل زبان سے واقف ہیں۔ تاجر پیشہ اصحاب صرف کاروباری زبان بول لیتے ہیں۔ ایک عجیب چیز جو میں نے دیکھی وہ اردو کی اشاعت ہے۔ بہ نسبت تامل کے اردو سمجھنے والے ماپلے آپ کو زیادہ ملیں گے۔ شہروں کے باشندے اکثر اردو سمجھتے ہیں اور بعض پڑھ بھی لیتے ہیں۔ بالخصوص ۱۹۲۰ء کے ترک موالات کے دور کے بعد شمالی ہند کے اخبارات کا مطالعہ کیا جانے لگا اور بعض مشاہیر سیاسی مقررین کی تقریروں کو سمجھنے کے شوق نے انھیں اردو سیکھنے پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ میں نے بہت سے ایسے حضرات کو دیکھا جنہوں نے ملیبار سے باہر قدم نہیں رکھا لیکن اردو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ اور ٹوٹی پھوٹی زبان بول لیتے ہیں بعضوں نے تو اردو بغیر استاد کے محض پنجاب کے عربی مترجم ریڈروں کے ذریعہ سیکھی ہے اور آہستہ آہستہ ایسی مہارت بہم پہنچائی ہے کہ اب بلا تکان اخبار پڑھ لیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ سب سے بڑی تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اس دور افتادہ علاقوں میں ماپلوں کا ایک ایسا مدرسہ دیکھنے کا اتفاق ہوا جہاں اردو کی تعلیم لازمی ہے۔ اردو کا شوق اگر اسی طرح روز افزوں ترقی پر رہے تو بہت ممکن ہے کہ تھوڑے عرصہ ہی میں اردو ہر جگہ بولی اور سمجھی جا سکے۔

www.taemeernews.com

ٹراونکور اور کوچین بہ لحاظ تعلیم ہندوستان کی دیگر دیسی ریاستوں کے پیش رو ہیں۔ غیر مسلم اقوام میں اعلیٰ تعلیم یافتوں کی اس قدر بہتات ہے کہ صوبۂ مدراس میں جا بجا ملیالی ہندو ہی ذمّہ دار عہدوں پر فائز ہیں باوجود اس قدر عام تعلیم کے ملیالم زبان میں کوئی روزانہ اخبار نہیں اور نہ کسی ایسے روزانہ کے سرسبز ہونے کی امید ہے مسلمانوں کے چند رسائل اور اخبارات ملیالم زبان میں شائع ہوتے ہیں کیالی کٹ سے ایک اخبار "الامین" نکلتا ہے جو ہفتہ میں تین دفعہ شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر ہمارے کالج کے اولڈ بوائے جناب محمد عبدالرحمٰن صاحب ہیں۔ انہوں نے ترک موالات کے زمانے میں کالج چھوڑا تھا اور اس کے بعد مارشل لا کے زمانے میں دو سال کی قید بھی ختم کر آئے ہیں۔ اب "الامین" کو نہایت ہی کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ شہر بریناکولم سے ایک ہفتہ وار اخبار کے۔ محمد سیتی صاحب بی۔اے۔ بی۔ ایل کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے اس کا نام "یکم" ہے جس کے معنی اتحاد کے ہوتے ہیں۔ یہ اس انجمن اتحاد کا آرگن ہے۔ جس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے سلسلے میں مجھے ملیبار کی سیر کا موقعہ ملا۔ "کولان" سے ایک اور ہفتہ دار اخبار شائع ہوتا ہے جس کا نام "مجیار تا چندرگا" ہے۔ کیالی کٹ سے ایک پندرہ روزہ رسالہ شائع ہوتا ہے جس کا نام "ایوتوگم" ہے۔ جس کے معنی نوجوان افراد کے ہیں۔

ترواندرم سے ایک ماہواری رسالہ بنام "مسلم مترم" شائع ہوتا ہے۔ اور کوچین سے شاید "الارشاد" نامی ایک اخبار نکلتا تھا کچھ مدت پہلے ایک دو عربی رسالے بھی شائع ہوتے تھے اب شاید بند ہو گئے ہیں۔

اسی سلسلے میں ملیبار کے بعض مدارس اور اسلامی انجمنوں کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ علاقۂ ملیبار میں سب سے مشہور دارالعلوم

www.taemeernews.com

یونانی کا مدرسہ ہے جو جنوبی ملیبار میں واقع ہے۔ یہاں کے مشہور علما، یونانی کی مسجد میں درس دیا کرتے ہیں۔ یہ مسجد علامہ ابن حجر مکی کی قیام گاہ سمجھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اس مسجد جامع کی علاقۂ ملیبار میں بڑی شہرت ہے۔ بیرونی طلباء جو ملیبار کے مختلف مقامات سے آتے ہیں یونانی کے مخیر حضرات کے خوانِ کرم سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اور ایک مدت تک رہ کر دینیات وغیرہ میں کچھ مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں کے مشہور عالم اور سجادہ نشین "مخدوم" کہلاتے ہیں۔ یہ علامہ زین الدین معبری صاحب تحفۃ المجاہدین کی اولاد سے ہیں۔ یونانی کا مدرسہ اطراف و اکناف میں بہت ہی مشہور ہے یہیں سے فارغ شدہ طلباء کو سندیں ملتی ہیں۔ اور "مصلیار" کا خطاب دیا جاتا ہے۔ معلوم نہیں مصلیار کس زبان کا لفظ ہے یا اس کی اصل شکل کیا تھی قیاس ہوتا ہے کہ یہ غالباً "مولوی یار" کی خرابی ہے۔ "یار" ملیالم زبان میں تعظیمی خطاب یعنی جناب یا صاحب استعمال کیا جاتا ہے۔ شاید کثرت استعمال سے "مصلیار" ہوگیا ہو۔ یا "مصلح یار" کی خرابی ہے۔ اندرون ملیبار میں کئی ایک چھوٹے مدرسے ہیں۔ جن میں سب سے پہلے عربی صرف و نحو پر ایک مدت صرف کی جاتی ہے۔ "الفیہ" کی تعلیم کا رواج ہے۔ بعض جگہ عربی مدرسوں میں جدید نصاب کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔ جن میں سے "پونیکل" کا عربی مدرسہ بھی شامل ہے۔ لیکن مجھے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس قسم کے مدارس کے علاوہ ہر شہر میں جامع مسجد کے ساتھ ایک ملحق مدرسہ ہوا کرتا ہے۔ جہاں علماء رات کو درس دیا کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ نظم و نسق سے بہت کم مدارس کو تعلق ہے۔

انگریزی مدارس میں قابلِ ذکر دو تین مدرسے ہیں ایک تو کیالی کٹ

www.taemeernews.com

کی انجمن حمایت الاسلام کا ہائی اسکول اور ایک سمتہ المحدیہ سکنڈری سکول
کیالی کٹ میں ہیں یہ دونوں مدرسے اچھا کام کر رہے ہیں۔ لیکن افسوس
ہے کہ ان کی ترقی کما حقہ نہیں ہوئی۔ عوام میں تعلیم کی طرف دلچسپی پیدا
نہیں ہوئی۔ اس لیئے مالی امداد غیر مکتفی ہے۔ کیالی کٹ کے ان دو مدرسوں
کے علاوہ کنانور کا مدرسہ معدن العلوم قابل ذکر ہے۔ جہاں شاید تھرڈ
فارم تک تعلیم دی جاتی ہے۔ اس مدرسہ کی مابہ الامتیاز خصوصیت یہ
ہے کہ یہاں اردو تعلیم ضروری ہے اور ماپلہ لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے تعلیم
پاتے ہیں۔ مدرسہ کے بانی ایک باایثار ہمدرد شخص ہیں۔ اور مدرسہ کو ہر
طرح کی امداد بہم پہنچاتے ہیں۔ ان ثانوی مدارس کے علاوہ کئی ایک مدارسِ
تحتانی، سرکار اور منسپل، مختلف جگہوں میں محض ماپلہ مسلمانوں کے لیئے کھلے
ہوئے ہیں۔ گورنمنٹ نے ماپلوں کی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ کر کے ایک
خاص افسر بھی مقرر کیا ہے۔ لیکن مختلف وجوہ اور تعصب کی بناء پر صحیح معنوں
میں تعلیم مفقود ہے۔

مدارس کے علاوہ چار انجمنیں بھی قابل ذکر ہیں۔ جن میں پونانی کی
انجمن "معونتہ الاسلام" خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ ڈاکٹر آرنلڈ نے اپنی کتاب
پریچنگ آف اسلام میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اضلاع ملیبار میں یہی ایک
انجمن ہے جو اشاعت اسلام کا کام کرتی ہے۔ گو یہ باقاعدہ اور منظم طریقہ
پر نہیں۔ لیکن سالانہ دو تین سو مسلمان بنائے جاتے ہیں۔ نومسلم صرف چالیس
روز تک رہ سکتے ہیں۔ اس اثنا میں ان کو ضروری مسایل سے واقف کرادیا
جاتا ہے۔ اور اس کے بعد وہ رخصت کر دیئے جاتے ہیں۔ ایک اور چیز جو
عام مسلمانانِ ہند کی توجہ کے قابل ہے وہ جمعیت دعوۃ و تبلیغ اسلام

www.taemeernews.com

کا یتیم خانہ ہے جو ملیبار تو کیا جنوبی ہند کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ کیالی کٹ کے باہر دو چار میل کے فاصلہ پر نہایت ہی وسیع الفضا میدان میں یتیم خانے کی عمارتیں واقع ہیں، یہاں تقریباً ایک سو یتیم اور لاوارث بچے پرورش پاتے ہیں ان کے لئے تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام ہے۔ زراعت اور باغبانی کی عملی تعلیم دی جاتی ہے۔ چونکہ یتیم خانے سے کئی ایکڑ زمین ملحق ہے اس سے منتظمین کو تعلیم زراعت و باغبانی میں کافی سہولت ہوتی ہے۔ اس یتیم خانے میں بہت سے ایسے بچے نظر آئے جنہیں ان کی ماؤں نے اپنے سرپرستوں کے اُٹھ جانے کے بعد لاکر سپرد کردیا ہے۔ غربت کا یہ عالم ہے کہ بخوشی اپنے جگر گوشوں کو چھوڑ کر روانہ ہو جاتی ہیں۔ اس کے منتظمین پنجاب کے بعض قابل اور مخیر حضرات ہیں۔ اس جگہ اُردو کی تعلیم اس لئے لازمی کردی گئی ہے۔ بچے اردو بولتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آٹھ دس سال کے قلیل عرصہ میں اس یتیم خانے کی بدولت اضلاع ملیبار میں بہت کچھ اُردو کی اشاعت ہو جائے گی۔

ماپلہ مسلمانوں کی ایک اور انجمن ہے جس کے سالانہ اجلاس کانفرنس کی صورت میں ہوا کرتے ہیں اس کا نام "ماپلہ ایکا سنگم" (انجمن اتحاد) ہے۔ اس کے کارکن بعض جوشیلے نوجوان ہیں جن کا جذبۂ اصلاح و اشاعت تعلیم نہایت ہی تعریف کے قابل ہے۔ البتہ بعض اراکین کے خیالات کی وجہ سے انجمن عوام میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی مباحث چھڑ گئے ہیں۔ جن سے فتنہ بڑھنے کا خوف تو ہے لیکن اصلاح کی اُمید کم۔ کاش ارباب حل و عقد انجمن اپنی تمامتر کوششوں کو اشاعت تعلیم اور اصلاح رسوم ورواج تک محدود رکھیں۔

www.taemeernews.com

ماپلہ مسلمان اکثر امام شافعی کے مقلد ہیں۔ اندرون ملیبار کچھ شیعہ بھی آباد ہیں۔ ماپلوں کے علاوہ جو دکھنی مسلمان وہاں بستے ہیں وہ حنفی مذہب رکھتے ہیں۔ ماپلوں میں سادات کو "تنگل" کہا جاتا ہے۔ اصل میں یہ لفظ تعظیمی خطاب بمعنی آپ یا جناب جنوبی ہند کی بعض دراوڑی زبانوں میں مستعمل ہے۔ ممبرم اور پونانی کے تنگل عام طور پر نہایت ہی قابل تعظیم سمجھے جاتے ہیں۔ تنگل اور مصلیار لمبے لمبے جبے پہن لیا کرتے ہیں اور ان پر کوٹ استعمال کرتے ہیں سروں پر "کفہ" کی حیثیت سے ایک کپڑا لپیٹ لیتے ہیں، عوام ان کے زیادہ معتقد ہیں اور ان کی دست بوسی طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ اکثر تنگل بہت مالدار اور املاک والے ہیں سالانہ اعراس، محافل میلاد اور دیگر زیارت کے موقعوں پر تنگل سجادہ نشینوں کی خدمت میں نذریں گذاری جاتی ہیں۔

ماپلے نماز روزے کے بڑے پابند ہیں شراب خوری اور نشہ بازی سے علی العموم سخت متنفر ہیں۔ ملیبار میں بالخصوص ماپلوں میں چوری بہت کم ہے۔ شاذو نادر کہیں ایک دو مثالیں ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ باقی اخلاقی کمزوریاں اس علاقے میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ آپس میں اتحاد و اتفاق ہمدردی و تعاون قریب قریب مفقود ہیں، مذہبی پابندی بھی ظاہر پرستی کی وجہ سے محض رسوم کی پابندی رہ گئی ہے۔ اصلی اسپرٹ موجود نہیں۔ مسجدیں یہاں کی عجیب و غریب ہیں۔ ہندوؤں کے مندروں کے طرز پر بنائی جاتی ہیں۔ اکثر دو منزلہ اور بعض سہ منزلہ بھی ہوا کرتی ہیں۔ مسجدوں میں مینار نہیں ہیں۔ چاروں طرف سے بالکل ڈھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ لکڑی بہت زیادہ صرف کی جاتی ہے۔ جمعہ میں اور پنج وقتہ نمازوں میں کافی آبادی ہوا کرتی ہے۔ خطیب جمعہ کا خطبہ عربی میں پڑھتا ہے۔

بعض جگہ خطبہ کے وقت ہاتھ میں تلوار سنبھالے ہوئے خطبہ پڑھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ خواہ وہ لکڑی کی تلوار ہی کیوں نہ ہو۔ خطبہ میں لہجہ کا اُتار چڑھاؤ ایک عجیب وغریب طریقہ کا ہوتا ہے۔ ماپلوں میں مذہبی پابندی کے علاوہ ایک اور بات یہ پائی جاتی ہے کہ محرم کے بدعتوں سے علی العموم محترز رہتے ہیں۔ ان میں علَم اور شدوں کو رواج نہیں۔ البتہ بزرگوں اور ولیوں کے اعراس کے دلدادہ ہیں۔ سالانہ اجتماع بڑے زور وشور کے ہوا کرتے ہیں۔ ان کو ملیالم زبان میں "نیرچہ" کہتے ہیں۔ اس میں قبر پہ جھنڈا چڑھایا جاتا ہے۔ اور مرد وعورت ایک کثیر تعداد میں زیارت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ آتشبازی پر صدہا روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ بعض معتقدین تو اپنا روپیہ بارود میں جلالے کی نذر مان لیتے ہیں، اور اس کا پورا کرنا فرض بھی سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ مولود شریف کی مجلسیں مختلف جگہ نہایت ہی اعتقاد سے مقرر کی جاتی ہیں۔ قصاید اور مولود خوانی کا بہت رواج ہے۔ اکثر قصاید وغیرہ عربی ہی میں عربوں کے لہجہ میں پڑھے جاتے ہیں۔ اکثر ماپلے عربی النسل ہونے کی وجہ سے عربی کی طرف زیادہ متوجہ ہیں ان کے تلفظ اور مخارج بھی نہایت ہی صحیح اور صاف ہوا کرتے ہیں۔

ماپلوں کی مذہبی پابندی کے ذکر میں ان کے قانونِ وراثت کا ذکر یقینی ہے کہ حیرت انگیز ثابت ہوگا۔ ماپلوں میں خاندانی املاک کی تقسیم کا رواج نہیں اور اسلامی قانونِ وراثت پر ان کا عمل درآمد نہیں ہے بھانجہ ماموں کی دولت کا وارث ہوتا ہے۔ اور خود متوفی کی اولاد اپنے جائز حقوق سے محروم ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ اس قدر مقبول اور پسندیدہ ہوا ہے کہ اسلامی قانونِ وراثت کا جاری کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ ۱۹۲۸ء میں ماپلہ

www.taemeernews.com

وراثت ایکٹ کی حیثیت سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ذاتی املاک اور جائدادیں ورثا کی مرضی سے اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم ہو سکتی ہے۔ البتہ خاندانی املاک اور جائدادوں کے متعلق وہی قدیم طریقہ مقرر ہے۔ اس کو ملیالم میں "مرموکتایم" کہتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی یہی طریقہ رائج ہے۔ چھوٹی چھوٹی جاگیریں اور زمینداریاں علاقہ ملیبار میں اسی اصول پر ماموں سے بھانجے کو منتقل ہوا کرتی ہیں

صدیوں کے جمود کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت سی باتیں مذہب کے نام سے رواج پا گئی ہیں۔ جن کا ترک کرنا مذہب کو ترک کرنے کے مترادف ہے۔ بالخصوص ہندوؤں کے ساتھ یکجائی اور ہم نشینی نے ایک دوسرے کے خیالات رسوم و رواج اور عقائد پر بہت کچھ اثر کیا ہے۔ مسلمانوں کو سب سے پہلے مساوات اور اخوت کی تعلیم دی گئی تھی۔ اسلام کی نگاہ میں تہامہ کا وحشی ابی سینیا کا حبشی حجاز کا مہذب انسان اور یورپ کا متمدن رومی یکساں تھے۔ لیکن ذات پات کے امتیاز اور رنگ و خون کے تباین نے پیروانِ اسلام کو غلط راہ پر لا ڈالا۔ ہندوستان میں مسلمان سوشیل مدارج کو پیشِ نظر رکھنے لگے۔ ملیبار میں بھی اس برائی کا اثر کئی جگہ نمایاں ہے۔ پونانی اور کیالی کٹ کے بعض علاقوں میں غریب ماہی گیر مسلمانوں کو عام مسلمانوں کے درجے کا نہیں سمجھا جاتا۔ بعض متشدد ان کے ساتھ کھانے پینے میں پرہیز کرتے ہیں اور تو اور بعض مسجدوں میں انھیں اندرونی حصہ میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ صرف مسجد کے بیرونی حصے میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ پونانی میں اس پر نہایت سختی سے عمل کیا جاتا ہے افسوس ایک اور چیز جو بین طور پر نمایاں ہے وہ ما پلہ

www.taemeernews.com

مسلمانوں کا غیر ماپلہ مسلمانوں سے سلوک ہے، ماپلہ مسلمان اپنے آپ کو مفتخر اور ممتاز سمجھتے ہیں۔ اور غیر ماپلہ یعنی دکھنی مسلمان کو قابل حقارت سمجھتے ہیں بعض معتبر اصحاب نے مجھے یہ اطلاع دی ہے کہ کچھ مدت کے پہلے یہ تعصب اس قدر شدید تھا کہ دکھنی مسلمانوں کے چھوے ہوئے برتنوں کو اچھی طرح مانجھ کے اور دھو کے پاک کر لیا جاتا ہے۔ اب وہ بات باقی نہیں رہی لیکن آپس میں ایک دوسرے سے حقارت اور منافرت کا سلوک کیا کرتے ہیں۔ علاقہ ملیبار میں جتنے غیر ماپلہ مسلمان بستے ہیں ان کو "پٹانی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ لفظ پٹھان کی خرابی ہے۔ ممکن ہے کہ دکھنیوں میں اکثر پٹھان وہاں بسے ہوں یا اور کسی وجہ سے پٹھانوں کو دیگر دکھنیوں پر تفوق حاصل رہا ہو۔ یہ لوگ عموماً غریب، ملازم، پیشہ ور ہیں۔ محکموں میں ادنیٰ درجہ کے ملازمین میں "پٹانی" مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے اکثر نماز اور روزے کے پابند نہیں۔ نشہ کے عادی ہیں محرم میں شہدوں کے ساتھ مختلف سوانگ بنائے نکلتے ہیں علی العموم مذہبی اور اخلاقی حالت بالکل گری ہوئی ہے۔ اس وجہ سے ماپلہ مسلمان نہایت ہی حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ماپلہ مسلمانوں میں بعض سوشیل خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ جن کی اصلاح کے لئے بہت سے نوجوان رات دن کوشاں ہیں۔ سب سے زیادہ قابل ملامت شئی ماپلوں کا اسراف ہے۔ مختلف رسوم پر (اور بفضل خدا رسوم کی انتہا نہیں ہے) نہایت ہی بیدردی سے روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ تعلیمی، اصلاحی اور قومی امور کے لئے ایک معمولی سی رقم دینا بھی بار گراں محسوس ہوتا ہے۔ شادی اور غمی کی رسمیں دولت کے چوچلوں کے ساتھ بڑھتی اور گھٹتی جاتی ہیں

www.taemeernews.com

ملیالم زبان میں ہر خوشی کی رسم کو "منگلم" کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی شادی کے ہیں۔ بسا اوقات بچے کی پیدائش کے پہلے ہی سے "منگلم" شروع ہو جاتے ہیں۔ چھٹی، عقیقہ، چھلّہ، نام رکھائی، تسمیہ خوانی، کان چھیدائی اور ناک چھیدائی وغیرہ وغیرہ کئی رسمیں رائج ہیں۔ اور ہر ایک موقع پر مالدار اصحاب دل کھول کر صرف کیا کرتے ہیں۔ لڑکوں کی رسم ختنہ بڑی دھوم دھام سے ادا کی جاتی ہے۔ علیٰ ہذالقیاس کان چھدوائی میں بے حد روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ میں نے بعض مالدار اصحاب کے متعلق سُنا ہے کہ انہوں نے رسم ختنہ میں تقریباً پندرہ ہزار روپے صرف کر دیئے۔ آتشبازی میں ہزاروں روپیہ اُڑایا اور یہی بزرگ نہایت حسرت سے اس امر کا رونا رو رہے تھے کہ ماپلہ بہت غریب قوم ہے، کیالی کٹ کا حمایت الاسلام ہائی اسکول نہیں چلا سکتی، مالی حالت مخدوش ہے، ہم کما حقہ امداد نہیں کر سکتے۔ بیرونی مسلمانوں کی امداد کی ضرورت ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار۔ شادی تو گویا جملہ مصارف کا انتہائی زینہ ہے۔ اس میں دل کھول کے ارمان نکالے جاتے ہیں۔ اور روپیہ پانی کی طرح بہا دیا جاتا ہے۔ غرض مالدار طبقہ کے اخراجات اور اسراف کا یہ عالم ہے کہ جنوبی ملیبار میں غریب ماپلوں کی یہ کیفیت ہے کہ شاید ہی کسی ہفتہ میں انہیں فاقہ کی نوبت نہ آئے۔ مالداروں میں شادی جس قدر مشکل شئے ہے، طبقۂ غُربا میں اسی قدر آسان بھی ہے۔ ملیبار میں پانچ روپے میں بھی شادی ہو جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی پچاس ہزار میں بھی شادی کے رسوم پورے ادا نہیں ہو سکتے جنوبی ملیبار میں اقتصادی حالت کی وجہ سے بہت سے رسوم مفقود ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن اب بھی جو باقی رہ گئے ہیں خون چوس لینے کیلئے

www.taemeernews.com

کافی ہیں۔ ان بے جا رسوم کے علاوہ عام طور پر مسلمان عید کے دوسرے بعد "پنچامتوں" میں سیر کرتے ہیں۔ یہاں اسراف، جوا اور بعض دیگر اخلاقی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض جگہ یہ مفاسد حد سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔

ماپلوں میں عورت کی وقعت کچھ زیادہ نہیں ہے۔ علی العموم عورتیں غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ جس طرح شادی بیاہ کے معاملات میں ہندوؤں کے بہت سے رسوم سرایت کر گئے ہیں۔ اسی طرح عورت کی بے قدری بھی ہندو ماحول کا اثر ہے۔ اکثر اوقات جہیز اور سامان اور کبھی کبھی نقد مالی امداد دے کر داماد کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ شادی کے بعد داماد ساس کے گھر ہی میں رہا کرتا ہے۔ شاذ و نادر عورتیں اپنی ماؤں کے گھروں کو چھوڑ کر دولہا کے گھر کو جاتی ہیں۔ اندرون ملیبار میں غربت کی وجہ سے لوگوں میں عورتوں کی خرید و فروخت کا بھی رواج ہے۔ تجارت کے موسم پر صدہا عرب کیالی کٹ کی بندرگاہ پر اترتے ہیں اور چند ماہ کے قیام کے بعد مال لے کر اپنے وطن کو جاتے ہیں۔ عربوں کے قیام کے زمانے میں ان بردہ فروشوں کی بن آتی ہے۔ اور یہ غریب عورتوں اور لڑکیوں کو نہایت ہی کم قیمت پر عربوں کے ہاتھوں فروخت کر جاتے ہیں۔ عرب ان سے نکاح کر لیتے ہیں۔ اور جاتے وقت مہر ادا کر کے کچھ نقد دیتے ہیں۔ اور طلاق دے کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ علاقہ ملیبار میں نہ تو طلاق معیوب ہے اور نہ نکاح ثانی۔ یہ واقعہ ہے کہ طلاق بالکل معمولی چیز سمجھی جاتی ہے اور عورت عدت گزارنے کے بعد نہایت ہی آسانی سے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

www.taemeernews.com

ملیباری عورتوں کا لباس عجیب وغریب ہے۔ تقریباً دو گز سیاہ کپڑے کا ایک تہہ بند باندھ لیتی ہیں اور کمر تک ایک بنیان نما پورے آستینوں والی چھینٹی ہوئی کُرتی پہن لیتی ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان کے بالکل شمالی حصّہ میں عورتوں کی پشواز کے لئے ایک ایک تھان بھی ناکافی سمجھا جاتا ہے اور انتہائی جنوب مغرب میں اس قدر کپڑے میں آٹھ دس عورتوں کا لباس تیار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شادیاں صرف پانچ روپے میں بھی ہو جاتی ہیں۔ ایک جوڑا زنانہ کپڑے کی قیمت غریبوں کے لئے دو روپے سے زاید نہیں ہوتی۔ سر پہ بھی سیاہ کپڑا باندھ لیتی ہیں۔ متوسط گھرانے کی عورتیں اس کے علاوہ سفید اوڑھنی بھی سر اور کندھوں پر ڈال لیتی ہیں۔ شرفاء اور مالداروں کی عورتیں پردے میں رہا کرتی ہیں۔ غریب اور متوسط طبقہ کی عورتیں ضرورت پر باہر نکلتی ہیں۔ بعض اس مختصر سی اوڑھنی کو کافی سمجھتی ہیں اور بعض چھتری لگائے نکلتی ہیں۔ دن اور رات میں جب کبھی متوسط طبقہ کی عورتیں باہر نکلتی ہیں تو چھتری کھول لیتی ہیں۔ سامنے سے مرد گذرتے ہیں تو چھتری کی آڑ سے چہرے کو چھپا لیتی ہیں۔ اور جب سڑک پر کوئی نہ ہوں تو چہرے کھولے ہوئے اور چھتری سنبھالے ہوئے بلا روک ٹوک گذر جاتی ہیں۔ ماپلہ مسلمان بھی راستہ میں گذرتے وقت اس امر کا لحاظ رکھا کرتے ہیں۔ سڑک کے ایک کنارے پر ہو جاتے ہیں۔ یا کبھی کبھی ذرا دوری سے ایک ہانک لگا دیتے ہیں تاکہ آنے والی عورتیں سنبھل جائیں اور اپنی چھتریوں کی آڑ میں کنارے ہو جائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ چھتری کا عجیب وغریب استعمال کچھ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ غریب عورتیں چھتری اور اوڑھنی دونوں کے جھنجھٹ سے آزاد

www.taemeernews.com

ہیں، نیچ اقوام کی ہندو عورتوں کے بدن کا اکثر حصہ قید لباس سے آزاد رہا کرتا ہے۔ اکثر ہندو عورتیں صرف ایک لنگی باندھ لیتی ہیں۔ اور جسم کا بالائی حصہ بالکل کھلا رہتا ہے۔ مسلمانوں کا لباس ایک حد تک قابل اصلاح ہے لیکن اس علاقے کی اقتصادی حالت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ لباس میں تراش خراش اور زیادتی ضرر رساں ثابت ہوگی۔

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ماپلوں کے چند طبعی اور قومی خصائص کا تذکرہ کیا جائے۔ ماپلہ مسلمان نہایت ہی بہادر غیور اور باہمت ہوتے ہیں۔ مہمان نواز، محنتی اور جفاکش ہیں، علی العموم مذہب کے بڑے پابند ہیں۔ مذہب سے محبت دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ان کے مذہبی جوش اور استقلال کی یہ کافی دلیل ہے کہ اس علاقے میں مشنریوں نے صدہا سال سے تبلیغی انجمنیں کھول رکھی ہیں۔ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں ہندوؤں کو عیسائی بنایا ہے۔ لیکن ماپلوں کو عیسائی بنانے کی مثالیں تقریباً مفقود ہیں۔ سریع الاشتعال اور غصیلے ہیں، غصہ کی حالت میں چھری اور چاقو کا استعمال بھی کر بیٹھتے ہیں۔ علی العموم ہر ایک ماپلہ اپنی کمر میں ایک چھری رکھا کرتا ہے۔ اپنے قومی امتیازی شان پر زیادہ مفتخر اور نازاں ہیں۔ عام طور پر سر منڈواتے ہیں اور لبا اوقات سر نہ منڈوانے والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اکثر باشندے داڑھی بھی منڈایا کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان مونچھ رکھتے ہیں اور یہی وہ امتیازی چیز ہے جس سے ماپلوں اور ہندوؤں میں تمیز ہو سکتی ہے۔ حسن معاشرت اور سوسائٹی کے اصول سے کم واقف ہیں لیکن معاملات اور سلوک میں سادگی نمایاں ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ماپلوں میں دینی حرارت، محنت

www.taemeernews.com

استقلال اور جوش کا وہ غیر معمولی مادہ موجود ہے کہ ہندوستان کے دوسرے مسلمان ان صفات میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ علم و تہذیب کی عام اشاعت سے اگر ان کے قوتِ نفسانی و غضبانی میں اعتدال، وسعت نظر اور رواداری کی اسپرٹ پیدا ہو تو جنوبی ہند میں تو کیا ہندوستان میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی۔

---

www.taemeernews.com

جامع عمرو بن العاصؓ

مصر کی سرزمین میں اسلام کی سب سے پہلی یادگار حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کی بنائی ہوئی مسجد ہے اسکندریہ کی فتح کے بعد فاتح مصر جب فسطاط واپس ہوئے تو انہوں نے اس جدید شہر کی تعمیر اور آبادی کا کام اپنے ذمہ لیا اور بعض جلیل القدر صحابہؓ کے مشورے سے یہاں سنہ ۲۱ھ میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی اس مسجد کا طول ایک سو قدم اور عرض ساٹھ قدم کا تھا۔ قبلہ کی جہت میں سادہ دیوار کی تعمیر کی گئی۔ اس وقت تک مجوّف محراب کا رواج عام نہ ہوا تھا اور غالباً منبروں کا استعمال بھی زمانہ اسلام کی ابتدائی مسجدوں میں رواج پذیر نہ ہوا تھا۔ بعض روایتوں کی بناء پر مشہور ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے اس میں منبر بنایا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص پر اعتراض کیا تھا یہ مسجد فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص کی قیام گاہ سے متصل تھی۔ صدر اسلام کی مشہور مسجدوں میں اس مسجد کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحیح روایتوں کی بناء پر تقریباً اسی جلیل القدر صحابہؓ نے اس مسجد میں مختلف اوقات میں امامت کی ہے جن میں عمرو بن العاص۔ زبیر بن العوام مقداد بن الاسودؓ عبادۃ بن الصامت، ابوالدرداء اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی

www.taemeernews.com

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مسجد کی عمارت میں مختلف زمانوں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں اور وقتاً فوقتاً اس کی توسیع کی گئی۔ عہد طولونی اور عہد حکومت فاطمیین مصر میں خاص طور پر اس کی عمارت میں تبدیلیاں ہوئیں اور رفتہ رفتہ قاہرہ کی وسیع ترین مسجد بن گئی عام قول کے مطابق اس مسجد میں تین سو ساٹھ ستون ہیں اگر ان ستونوں کو بھی شمار کر لیا جائے جو ایک دوسرے سے متصل ہیں یا بالکل دیوار سے ملحق ہیں تو یہ خیال غالباً صحیح ہے۔ الحاکم بامراللہ کے زمانے میں بیچ کے حصہ کی چھت ڈھا دی گئی اور بہت سے ستون توڑ دیئے گئے اور گویا اس حیثیت سے مسجد میں صحن نمایاں ہوگیا موجودہ ہئیت اس عمارت کی یہ ہے کہ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی دونوں جانب مستطیل دالان ہیں۔ ان دالانوں کے متوازی صحن ہے جس میں ڈھائے ہوئے ستون کے زیریں حصے اب تک نمایاں ہیں۔ اس صحن کے بعد مسجد کا اندرونی حصہ ہے جو نہایت وسیع اور خوبصورت ہے۔

مسجد کے اندرونی حصہ میں بائیں جانب ایک جگہ چھوٹا سا محراب ہے جو عام روایت کے مطابق فاتح مصر عمرو بن العاص کا بنایا ہوا ہے۔ مسجد کی جب توسیع ہوئی تو ایک علٰحدہ محراب وسط میں بنا گیا۔ لیکن قدیم محراب کو بالکل اسی طرح اپنی جگہ پر برقرار رکھا گیا ہے آج کل اس مسجد میں صرف ایک نماز سال بھر میں ہوتی ہے اور وہ جمعۃ الوداع کی نماز ہے مصر میں رمضان کے آخری جمعہ کو جمعۃ الیتیمیہ کہتے ہیں اس روز شہر کے اور اطراف و اکناف کے لوگ اس مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ علی العموم شاہ مصر اس نماز میں شریک ہوتے ہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں رمضان کے آخری

www.taemeernews.com

جمعہ کو، بالکل وہی اہمیت حاصل ہے جو ہندوستان میں ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اجتماع کے لحاظ سے جو ہجوم دہلی کی جامع مسجد میں اس موقع پر ہوتا ہے شاید ہی اس کی مثال کہیں اور مل سکے۔

عوام کا عقیدہ ہے کہ جمعۃ الوداع کے دوران میں مسجد عمرو بن العاص مع مصلیوں کے آناً فاناً کعبہ کا طواف کر آتی ہے۔ اس قسم کے خیالات مصر کے عام مسلمانوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً محراب عمرو بن العاص میں دودھ رکھ کر پیتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ صاحب اولاد ہونے کے لئے یہ عمل نہایت ہی مجرب ہے عام طور پر مصری عقیمہ عورتیں اس مسجد میں محراب کی نیابت کے لئے اسی مقصد سے آتی ہیں۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد دالان میں دروازے کے قریب دو ستون بالکل ایک دوسرے کے متوازی ہیں اور ان دونوں کے درمیان صرف اتنا خلا باقی ہے۔ جس میں سے ایک دبلا پتلا آدمی گزر سکے۔ متوسط جسامت کے آدمی کو گزرنے میں بڑی دقّت ہوتی ہے جسیم تو اس میں سے ہرگز گزر نہیں سکتے۔ عوام کا عقیدہ ہے کہ جو شخص ان دونوں ستونوں کے درمیان سے گزر جائے وہ جنتی ہے۔ غالباً اس عقیدہ کی بنا اس خیال پر ہوگی کہ موٹے تازے لوگ بے فکر اور سرمایہ دار ہوتے ہیں۔ اور یہ ان کی برائی کی کافی دلیل ہے۔ اٹلی میں کیتھولک عیسائیوں میں بھی علی العموم اسی قسم کے بہت سے خرافات پائے جاتے ہیں۔ جامع عمرو کے ستون والے عقیدے سے بالکل مماثل روم کے کیتھولک عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ وہاں سینٹ پال کے گرجا کے پچھلے حصہ میں ایک مسقف قطعہ ہے جس کی چھت کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قد کے مطابق اونچی ہے اور جب حضرت،

www.taemeernews.com

عیسیٰ علیہ السلام یروشلم میں اس چھت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے تو ان کا سر اس چھت کو چھو رہا تھا۔ چنانچہ آج بھی یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو کوئی عیسائی اس چھت کے نیچے کھڑا ہو اور اس کا قد بالکل اس چھت کی بلندی کے برابر ہو تو وہ یقیناً جنتی ہے۔ عام تعلیم کے فقدان کی وجہ سے ضعیف الاعتقادی کی ایسی متعدد مثالیں مصر کے مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ اسی مسجد میں منبر سے متصل ایک سنگ مرمر کا ستون ہے جس کے اطراف لوہے کی جالی لگی ہوئی ہے۔ اس ستون کے متعلق مشہور ہے کہ جس وقت عمرو بن العاص نے مسجد کی بنیاد رکھی تو یہ ستون مکہ کی جانب سے اُڑتا ہوا آیا تھا اور اپنی جگہ پر قائم ہو گیا۔ اس خیال کی بنا پر زائرین نے اس ستون کے ٹکڑے کاٹنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ ستون پر متعدد جگہ اس قسم کی دستبرد کے آثار ہیں۔ مصری حکومت نے اس خیال سے کہ کہیں شدت عقیدت کی وجہ سے ستون ہی سرے سے غائب نہ ہو جائے اس کے اطراف لوہے کی جالی لگا دی گئی ہے جس کی وجہ سے اب زائرین مجبور ہیں صرف دور سے زیارت کر لیتے ہیں۔

قدیم زمانے میں جہاں شہر فسطاط آباد تھا آج وہاں ویرانہ نظر آتا ہے۔ المقطم اور اس کے نواح میں صرف چند مکان باقی رہ گئے ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ مسجد اب نمازیوں سے آباد نہیں ہے اور یہاں آنے والے صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو آثار قدیمہ کے دیکھنے کا شوق ہے۔

www.taemeernews.com

پامپی آئی

آثارِ قدیمہ کی تلاش اور پُرانے کھنڈروں میں تحقیقات کی بدولت آج دُنیا کی بہت ساری اقوام کی تاریخ مرتب کی جارہی ہے اور اُن کی تہذیب وتمدن کی صحیح تصویر نمایاں ہورہی ہے۔ اسی تلاش کا نتیجہ ہے کہ ہم بابل اور اسیریا، مصر اور ہندوستان، یونان اور روما کے متعلق بیش بہا معلومات حاصل کررہے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں جو اہمیت پامپی آئی کے کھنڈروں کو حاصل ہے وہ شاید ہی دنیا کے کسی اور مقام کو نصیب ہو۔ دُنیا کے قدیم شہروں میں یہی ایک شہر ہے، جس کے آثار کو دیکھ کر ہم اس کی دو ہزار سال پہلے کی حالت اور اس کے باشندوں کی زندگی کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ مدت سے مجھے اِن کھنڈروں کی سیر کی آرزو تھی۔ اتفاق کی بات ہے ۱۹۳۷ء میں اپنی سیاحت کے دوران میں دو روز کے لئے نیپلز میں ٹھہرنا پڑا اور اس میں میں نے جو کچھ پامپی آئی میں دیکھا اور جو کچھ وہاں کے میوزیم سے اخذ کیا ہے اس کے بارے میں جی چاہتا ہے کہ اپنے ملک کے اُردو داں احباب اور طلبہ کی خدمت میں اپنے بعض تاثرات پیش کردوں۔

پامپی آئی اطالیہ کا ایک قدیم شہر تھا اور یہ وہاں کے مشہور کوہ آتش فشاں وسووی ئیس کے دامن میں آج سے دو ہزار سال پہلے اپنی ترقی وتمدن

www.taemeernews.com

تہذیب کے آخری منازل پر پہنچا ہوا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے تقریباً پانچ چھ سو سال پہلے یہ شہر آباد ہو رہا تھا اور بندرگاہ ہونے کے حیثیت سے اس کو اشتی تہذیب میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی آفریقہ اور مصر کے سواحل سے لونڈی غلام اس شہر کے ذریعہ سے غالباً اطالیہ کے دیگر ممالک اور بالخصوص روما تک پہنچتے تھے اور کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس شہر نے اس زمانے میں اپنے مقام کی وجہ سے خاصا امتیاز حاصل کر لیا ہو۔ اور یہ قیاس غلط نہیں ہو سکتا کہ تجارتی حیثیت سے اس شہر کو اطالیہ کے دوسرے شہروں پر تفوق حاصل تھا۔

سنہ ۶۳ء میں کوہ وسووی لیس میں ایک سخت ہیجان ہوا اور زبردست زلزلہ اطراف و اکناف کے علاقہ کی بربادی کا باعث ہوا۔ لیکن پانچ چھ سال کے عرصہ میں پامپی آئی نے پھر اپنی گزشتہ عظمت حاصل کر لی اور وہاں کے باشندوں نے گویا بالکل اس واقعہ کو بھلا دیا، اپنے شہر کی گری پڑی عمارتوں کو پھر اگلی حالت پر لا لیا۔ اور آرام اور عیش و عشرت کی زندگی میں دوبارہ مشغول ہو گئے فطرت کی تنبیہ پر ان کی آنکھیں نہ کھلیں اور دولت کی افراط اور لونڈی غلاموں کی بہتات نے پھر انھیں بہت جلد اپنی عیاشانہ زندگی میں مصروف کر دیا۔ فطرت کو تو کچھ اور ہی تماشا دکھانا منظور تھا اس ہیبت ناک زلزلہ کے ٹھیک سولہ سال بعد سنہ ۷۹ء میں یکایک کوہ وسووی لیس میں حرکت پیدا ہوئی اور سخت ہیجان کی وجہ سے اس کے دہانے سے آگ اور راکھ کی بارش ہونے لگی۔ پہلے پہل تو پامپی آئی کے باشندوں نے اس کو عارضی ہیجان سمجھا ہوگا لیکن جب اس میں شدت ہونے لگی لوگ گھبرا کر گھر چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اور شہر سے نکل جانے کی کوشش کی،

www.taemeernews.com

لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا، صرف تھوڑے عرصہ میں عذاب الٰہی کے اس آتشیں باراں کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ جہاں تھے وہیں دفن ہو گئے اور آن کی آن میں یہ عظیم الشان آباد شہر لاکھوں اور کروڑوں من راکھ کے نیچے دب گیا، کوہ وسووی لیس کا ہیجان کچھ ایسا تھا کہ اس کے تصوّر سے اب بھی بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بالخصوص جب کہ کوئی اس کے ایک میل محیط دہانے پر کھڑے ہو کر اس عمیق غار کو دیکھتا ہے، جس میں اور مختلف معدنیات گرمی کی وجہ سے پگھل کر ابل رہے ہیں تو بہت متاثر ہوتا ہے ایک عظیم الشان عمودی شکل کا دھواں اس کے دہانے سے نکل کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابر سے جا ملتا ہے اس ہیبت ناک منظر کی تصویر الفاظ کے ذریعہ نہیں کھینچی جا سکتی اور میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مقام ہو جہاں اس قسم کا نظارہ دکھائی دیتا ہو۔

خدا جانے اس زمانے میں کتنی دیر تک آگ اور گرم راکھ برستی رہی ہوگی، بہرحال یہ واقعہ ہے کہ ایک دو دن کے اندر اندر وسووی لیس کے دامن میں پامپی آئی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، اور وہاں سوائے تودۂ خاک اور راکھ کے ڈھیر کے کچھ نہیں تھا۔ وسووی لیس کے ایک جانب اس آتشیں باراں نے یہ کرشمہ دکھلایا اور دوسری طرف دہانۂ جہنم سے پگھلا ہوا آتشگیر مادہ نکل کر بہنے لگا اور اس نے ایک دوسرے شہر کو جس کا نام ہرکولینیم ہے کامل طور پر برباد کر دیا اور یہ شہر بھی اس آتشگیر مادہ کے نیچے دب گیا۔

یہ سانحہ کچھ اس طرح یکا یک ظہور پذیر ہوا کہ بہت کم اس عذاب الٰہی سے بچ سکے۔ عناصر کے ہیجان اور فطرت کے کرشموں کا اندازہ اس سے

www.taemeernews.com

ہوسکتا ہے کہ اس قلیل عرصہ میں سمندر تقریباً تین میل دور ہٹ گیا اور جہاں سمندر کا پانی تھا وہاں زمین برآمد ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد تو شاید اطراف و اکناف کے باشندوں کو ان دونوں شہروں کے صحیح مقام کا پتہ بھی نہ رہا ہوگا صرف ایک کہانی زبان زد خاص و عام رہ گئی کہ دنیا کے دو بڑے شہر اس زلزلے کے دوران میں غائب ہو گئے۔ اور وسوویس کے غیظ و غضب کے آتشیں شعلوں نے انھیں جلا کر برباد کر دیا صدہا سال گزر گئے، اور پامپی آئی کا ذکر صرف تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گیا۔ اور اسی تودۂ خاک پر دوسرا شہر بسنے لگا اور نئی آبادی ہوگئی۔ محض ایک اتفاقی حادثہ سے اس امر کا پتہ لگا کہ اس تودۂ خاک کے نیچے کسی شہر کا ویرانہ دفن ہے۔ اطالوی حکومت نے فوراً اس علاقہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور کھدائی کا کام شروع کیا۔ اب سالہا سال کی کھدائی کے بعد تقریباً تین چوتھائی حصہ شہر کا برآمد ہوا ہے اور ان کھنڈروں سے وہ چیز دستیاب ہوئی جو تہذیب و تمدن کی تاریخ کے لیئے بہترین سرمایا ہیں۔

ماہرین آثار قدیمہ نے اس کے بعد ہرکولانیم کے مقام کی تحقیق شروع کی اور اس کو بھی کھودنا چاہا لیکن ظاہر ہے وہاں ایسی کامیابی نہیں ہوئی۔ کیوں کہ پگھلا ہوا آتشگیر مادہ سرد ہوجانے کے بعد لوہے سے زیادہ سخت ہوگیا تھا۔ اور اس مادہ کی وجہ سے مکانات اور ان کے اسباب تقریباً مکمل برباد ہو گئے تھے۔ البتہ بہت سے سنگ مرمر کے بت اور برنجی مجسمے صحیح وسالم نکل آئے جو آج نیپلز کے میوزیم کی زینت ہیں۔

اس مختصر سی تمہید سے اندازہ ہوگا کہ جس شہر کے کھنڈروں میں مجھے سیر کا اتفاق ہوا وہ دو ہزار سال پہلے کی تہذیب و تمدن کی حقیقی تصویریں

www.taemeernews.com

ہیں۔ سامان ایسی حالت میں ہیں کہ امتدادِ زمانہ نے انھیں کچھ ضرر نہیں پہنچایا اطالوی حکومت نے وہاں کے خوبصورت مجسمے اور تمام اشیاء کو نابولی کے عجائب گھر میں منتقل کر دیا ہے۔ میں اپنے اس مختصر مضمون میں اس امر کی کوشش کروں گا کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں اس شہر کا ایک مختصر سا خاکہ آجائے۔ اور میوزیم کے اشیاء کی کچھ تفصیل بیان کر کے اس بات کی کوشش کروں گا کہ اس زمانے کے تمدن کا صحیح نقشہ پیش نظر ہو جائے

پامپی آئی کے حدود ایک فصیل سے نمایاں ہیں جو سارے شہر کے اطراف کھینچی ہوئی ہے۔ اس دیوار کا تقریباً دو ثلث حصہ راکھ کے ڈھیر سے برآمد کیا گیا ہے یہ نہایت زبردست قلعہ کی دیوار جیسی ہے بعض جگہ بہت چوڑی اور مضبوط ہے۔ باوجود اس حادثہ کے اکثر جگہ تقریباً اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ سب سے پہلے جب میں ویران قلعے کے اس دروازے میں داخل ہوا جو مرینا پورٹا (MARINA PORTA) یا بحری دروازہ کہلاتا ہے' تو بے اختیار دل نے صدا دی: ؏

ہاں اے دل عبرت بیں از دیدہ نظر کن ہاں

غالباً اس دروازے کے متصل ہی اُس زمانے میں سمندر کا ساحل رہا ہوگا اور یہیں سے لاطینی جہاز تجارت کا اسباب لایا اور لے جایا کرتے ہوں گے۔ دروازہ کیا ہے ایک بہت بڑی کمان ہے جس کا عرض پچاس فٹ سے زیادہ ہے۔ راستے میں بہت بڑے بڑے پتھر بچھائے گئے ہیں جو نہایت ہی مضبوط طریقے پر ایک دوسرے سے جوڑ کر رکھے گئے ہیں۔ زمانہ کی اس زبردست دستبرد کے باوجود یہ راستہ اپنی اصلی حالت پر باقی ہے۔ جیسے ہی شہر کے اندر داخل ہوا اور کمانی دروازے کے اندر پہنچا تو

www.taemeernews.com

عجیب منظر پیش نظر تھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی دیواریں اور ستون کہیں سالم اور کہیں ناقص، کہیں چھتیں دور دور تک کھلی ہوئی نظر آتی تھیں۔ اس دروازے سے گزرنے کے بعد سب سے پہلا قابلِ دید مقام شہر کا محکمۂ انصاف آتا ہے جس کا نام لاطینی زبان میں بازلیکا (BASILICA) ہے۔ یہ ایک مستطیل عمارت ہے۔ جس کے وسط میں ایک وسیع مستطیل صحن ہے اور چاروں جانب نہایت اونچے اونچے ستون ہیں۔ اکثر گر گئے ہیں۔ کچھ باقی بھی ہیں۔ اس صحن کے سرے پر جو دالان ہے، اس میں منصف بیٹھا کرتے تھے اور قضایا اور خصومات کا انفصال یہیں ہوا کرتا تھا۔ باقی تین طرف برآمدوں میں شہر کے لوگ جمع ہوا کرتے تھے اب ان برآمدوں کی چھتیں باقی نہیں رہیں لیکن اس ویران نقشہ سے عمارت کی خوبی اور عظمت کا اچھا اندازہ ہوتا ہے۔ ستون کے بیرونی پہلو سب کے سب سنگِ مرمر سے مزین تھے جو ابتدائی زمانے میں حکومت کی بے توجہی کے باعث اطراف واکناف کے قریوں کے باشندوں نے شاید نکال لئے اور اپنی عمارتوں میں لگا لئے البتہ ستون کے زیرین حصے اب تک سنگِ مرمر سے مزین ہیں۔ اس عمارت کے دوسرے پہلو پر ایک اور عالیشان عمارت قریب قریب اسی نقشہ کی ہے لیکن یہ عمارت شاید دو منزلہ تھی۔ چنانچہ اس کے کچھ آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ عمارت محکمۂ عدالت سے وسعت اور طول و عرض میں بہت بڑی ہوئی ہے۔ اس کو فورم FORUM کہتے ہیں۔ یہاں شہر کے باشندے جمع ہوا کرتے تھے۔ مقررین کی تقریریں یہیں ہوتی تھیں اور ان کے خطیب یہیں پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تقریریں کیا کرتے تھے۔ فورم کے وسط میں ایک طرف کو پلیٹ فارم بنا ہوا اب تک موجود ہے عمارت کی وسعت کا اندازہ بتاتا ہے کہ اس میں صدہا نہیں بلکہ ہزارہا آدمی

www.taemeernews.com

سما سکتے ہیں۔ اور صحنِ عمارت میں تو لاطینی رؤسا اپنی گاڑیوں پر جن کو انگریزی میں (CHARIOTS) کہتے ہیں، سوار ہو کر آیا کرتے تھے۔ اس کے آثار اور نشان بھی باقی ہیں۔ اس عمارت میں جا بجا نہایت خوبصورت سنگِ مرمر کے بُت تھے جو اب ناپولی کے عجائب گھر میں منتقل کر دیئے ہیں۔ اس عمارت کی اصلی حالت کا اندازہ اس کی مرمریں دہلیزوں سے ہوتا ہے جو اپنی اصلی حالت پر باقی رہ گئی ہیں۔ یہاں کی چھت بھی اکثر مقامات پر وزن کی بدولت ٹوٹ کر گر گئی۔ اب صرف اونچے اونچے ستون رہ گئے ہیں جو گزشتہ عظمت کو یاد دلاتے ہیں۔

اس عمارت کے بالکل متصل ہی ان کا مشہور بُت خانہ ہے جو دیوتا عطارد کے نام پر بنایا گیا تھا۔ اور اس میں عطارد کا بڑا بُت تھا اور ایک بُت خانہ بھی ہے جس میں مشتری کا بُت تھا۔ ان بُت خانوں کے دروازے مرمر کے تھے۔ جن کے نشان موجود ہیں۔ اور سنگِ مرمر پر نہایت خوبصورت نقوش اور تصویریں رومی فنکاروں کی کاریگری اور صنّاعی کا حیرت انگیز نمونہ پیش کرتی ہیں۔ میں نے یہاں اور اس شہر کے دوسرے ویرانوں میں بہت سی ایسی مرمر کی سلیں دیکھیں، جن میں مختلف پرندوں، جانوروں اور انسانوں کی نہایت ہی عمدہ تصویریں ترشی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مور ان کا بڑا محبوب پرندہ تھا۔ جا بجا مور کی نہایت ہی عمدہ صورتیں مختلف نقوش میں پائی جاتی ہیں۔ اہالیٔ شہر کی صنّاعی پر انگشت بدنداں آگے بڑھا اور مارکٹ کے ویرانہ میں داخل ہوا۔ مارکٹ کا نقشہ اور اس کا خاکہ بالکل اسی طرح کا ہے جیسے آج کل بعض بڑے بڑے شہروں میں مارکٹ ہوا کرتے ہیں۔ یہاں سے کچھ دور پر ایک بڑی شاندار کمان اپنی اصلی حالت پر باقی ہے اور یہ نیرو شہنشاہِ روم کی فتوحات کی یادگار ہے۔ اسی کے قریب نیرو کا مرمریں مجسمہ

www.taemeernews.com

دستیاب ہوا ہے، جو میوزیم میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ مجسموں اور عمارتوں اور ستون کی ساخت میں یونانی اثر نمایاں ہے۔ اور ان میں سے اکثر اسی طرز پر ہیں جو تاریخِ یونان میں (DORIC STYLE) کے نام سے مشہور ہے۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز عمارت یہاں کا حمام ہے جو اس آتش فشاں پہاڑ کی شعلہ افشانی کے باوجود بچ گیا، اور میں اس امر کا معترف ہوں کہ اپنے الفاظ میں وہ قدرت نہیں پاتا کہ میں اس کی خوبی اور صفائی کو بعینہ بیان کر سکوں اور مجھے خوف ہے کہ میں تفصیلی طور پر اس عمارت کی تعریف کروں تو وہ بذاتِ خود ایک علیحدہ مضمون ہو جائے گا رومیوں کی قدیم تاریخ سے ثابت ہے کہ ان کی زندگی میں "حمام" ایسے ہی ضروری شمار کئے جاتے تھے، جیسے آج کل مہذب ممالک میں ہوٹلوں کا وجود لازمی ہے یہاں کے حمام کے گویا تین حصے ہوتے ہیں ایک حوض تو بالکل سرد پانی کے لئے ہوتا تھا۔ دوسرے کمرے میں ایک اور حوض نیم گرم پانی سے بھرا رہا کرتا تھا۔ اور تیسرے کمرے میں گرم پانی سے حوض لبالب رہتا تھا۔ اس کے اطراف بیٹھ کر نہانے کے لئے بیٹھکیں سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ہیں اور ایک جگہ اس مدوّر عمارت میں حوض کے اطراف گوشے بنائے گئے ہیں۔ جس میں نہانے والے اپنے کپڑے بدلا کرتے تھے۔ اس مدوّر عمارت میں اوپر ایک قبہ ہے جس کے مرکز میں کھلا ہوا مدوّر حصہ ہے۔ تاکہ ہوا برابر آتی جاتی رہے ہر حمام کے متصل بڑے بڑے ہال ہیں جن میں یہ لوگ جمع ہو کر حمام سے پہلے ورزشیں کیا کرتے تھے۔ ایک جانب بڑا مستطیل صحن ہے جس میں غالباً کشتیاں اور گاؤ زوریاں ہوا کرتی تھیں۔ گرم پانی کے حوض سے متصل جو ہال ہے، اس کی عجیب خصوصیت یہ ہے کہ اس کی دیواریں اندر سے مجوّف

www.taemeernews.com

ہیں۔ ہال میں گرمی پہنچانے کے لئے نیچے آگ سلگائی جاتی تھی۔ اور اس کی گرمی ان مجوف دیواروں میں پہنچ کر سارے ہال کو گرم کر دیا کرتی تھی۔ اسی حمام میں ایک حوض ہے جو صرف سنگ مرمر کے ایک سالم قطعہ میں بنایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ ناگہانی آفت اہل شہر پر آئی بہت سے افراد حمام میں موجود تھے کیوں کہ یہاں کئی متحجر لاشیں دستیاب ہوئیں۔ راکھ اور جلتے پتھروں نے انسانی لاشوں کو بالکل متحجر کر دیا ہے چنانچہ ان لاشوں میں اب اس ہال میں بالکل اسی جگہ رکھی ہوئی ہیں۔ جہاں وہ دستیاب ہوئی تھیں۔ متحجر جسم نظر آتا ہے۔ دانت اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں کہیں کہیں نمایاں ہیں لیکن ان کا جسم اور اعضا جس ہیئت پر مڑے ہوئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جان نکلنے سے پہلے شدت اذیت و کرب کی تکلیفوں میں مبتلا رہے ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر عبرت کا مقام شاید ہی اور کوئی ہو سکتا ہے۔

اسی حمام کے پیچھے ایک دروازہ ہے جو ایک اور گلی میں نکلتا ہے اور اس دروازے کے بالمقابل گلی کے دوسرے جانب ایک میکدہ ہے جہاں کئی چبوترے بنے ہوئے ہیں، اور ان چبوتروں کے جوف میں بڑے بڑے مٹی کے خم علیٰ حالہٖ موجود ہیں۔ نہانے کے بعد شاید یہ لوگ یہاں آتے تھے اور ان چبوتروں کے پاس کھڑے ہو کر شراب پیا کرتے تھے۔ شراب کی اسی طرح کی کئی دکانیں جا بجا پائی جاتی ہیں اور ہر جگہ خم چبوتروں کے بطن میں اس طرح رکھے گئے ہیں کہ صرف ان کا دہانہ دکھائی دیتا ہے۔ اکثر جگہ چبوترے مرمر کے ہیں اور کہیں کہیں مرصع پچیکاری بھی ہے۔

اسی گلی میں آگے بڑھ کر دیکھیں تو کئی مکان بنے ہوئے ہیں، جن میں

www.taemeernews.com

سے بعض کی چوکھٹیں ٹوٹ گئی ہیں اور کہیں کہیں چوکھٹیں باقی بھی رہ گئی ہیں بڑی حیرت ایک مکان کے دروازے کے اندرونی حصّہ کو دیکھ کر ہوئی۔ جس کی زمین پر مرصع کاری کا ایک نادر نمونہ نظر آتا ہے۔ یہ ایک کتّے کی تصویر ہے جس کے گلے میں زنجیر بندھی ہوئی ہے۔ اور اس کے نیچے لاطینی زبان میں لکھا ہوا ہے۔ "خبردار! یہاں خونخوار کتا ہے"۔ آگے بڑھیں تو ایک اور گھر دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ساخت اور پچیکاری سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً یہ ناچ گھر تھا۔ دروازے کے پاس نیچے پچیکاری کی گئی ہے۔ اور اس میں (HAVA) لکھا ہوا ہے جس کے معنی خوش آمدید کے ہیں۔

یہاں کی گلیوں کے مختلف نام ہیں۔ ایک گلی کا نام قسمت کی گلی ہے۔ اس گلی میں ایک دوا ساز یا طبیب کا مکان ہے۔ جس کی دیوار پر سانپ کا رنگین نقشہ بنا ہوا ہے۔ اس مکان میں بہت سے شیشے اور مرتبان، ادویہ رکھنے کے ظروف، ترازو اور متعدد آلات جراحی دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کو ناپلی کی میوزیم میں بالکل علحدہ رکھا گیا ہے۔ یہاں کی دیوار سے ایک بڑی تصویر بھی منتقل کی گئی ہے۔ جو رنگین پلاسٹر میں صاف طور پر نمایاں ہے۔ اس تصویر میں جرّاح کسی شخص کی ران پر عملِ جراحی کرتا دکھایا گیا ہے۔ زخم سے خون بھی بہہ رہا ہے۔ ان آلاتِ جراحی کی کثرت اور ظروف ادویہ کے افراط سے پوری طرح سے یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ یونانی طب کی ترقی کا زمانہ تھا

یہاں کی گلیوں کی ایک اور چیز باعثِ حیرت ہے کہ راستہ جو گاڑیوں کے آنے جانے کے لئے بنا ہوا ہے اس کے پتھروں پر پہیّوں کے نشان اب تک باقی ہیں۔ جہاں کہیں چوراہا ہے، ایک گلی سے دوسری گلی میں جانے کے لئے بیچ میں دو دو تین تین بڑے بڑے پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ جن پر

www.taemeernews.com

پیدل چلنے والے قدم رکھ کر عبور کیا کرتے تھے ان پتھروں کے وسط میں گاڑی کے پہیوں کے لئے راستہ بنا ہوا ہے۔ اکثر گلیوں میں جا بجا چھوٹے چھوٹے حوض بنے ہوئے ہیں۔ اور کہیں کہیں اُن پر سنگِ مرمر کے چھوٹے چھوٹے بُت استادہ ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں جست کے بنے ہوئے پائپ ہیں۔ ان سے پانی حوض میں گرتا ہے۔ تعجب اور حیرت اس امر پہ ہے کہ سارے شہر میں ایسے پائپ مکانات اور دُکانات میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اُن سے جا بجا نل اور فوّارے نکالے گئے ہیں۔ سب سے بڑھکر حیرت انگیز یہ واقعہ ہے کہ باوجود دو ہزار سال گزرنے کے ان کا مخزن اور نلوں کا انتظام ایسا عمدہ واقع ہوا ہے کہ پانی اب بھی برابر اِن فواروں میں جاری ہے۔ میں نے ایک حوض کے پاس کھڑے ہوکر دیکھا کہ جو بُت وہاں استادہ ہے اس کے پیچھے پائپ میں ایک کل لگی ہوئی ہے جب اس کل کو کھولا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ نہایت صاف پانی اس سے نکلا اور حوض میں گرنے لگا۔

یہاں کے گھروں میں بھی جست کے نل ہیں اور ان سے پانی مختلف جگہوں کو برابر پہنچتا ہے۔ بعض گھر اس ویران حالت میں بھی قابلِ دید ہیں ایک گھر جس کی چھتیں اپنی اصلی حالت پر ہیں، وہاں کی زندگی کی اصلی تصویر پیش کرتا ہے۔ دیواریں منقش اور مصوّر ہیں بچّوں کے کمرے میں بچّوں کی پسندیدہ تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ایک کمرے میں خزانے کا مضبوط صندوق لوہے کا رکھا ہوا ہے۔ بیٹھک کے دالان میں مختلف تصویریں ہیں مور کی رنگین تصویر بھی ہے مُرغ کی لڑائی کی بھی ایک نہایت عمدہ تصویر ہے چار دالان ہیں اور بیچ میں ایک مستطیل صحن ہے۔ جس میں اطراف سنگِ مرمر کے چھوٹے چھوٹے بُت بنے ہوئے ہیں اور ان میں جست کی نلی

www.taemeernews.com

لگی ہوئی ہے۔ جس سے پانی آتا ہے وسط صحن میں فوارہ اور باغ ہے اور اس کے مقابل میں کھانے کا کمرہ ہے اس کمرے میں ترکاریوں اور پھلوں کی تصویریں دیواروں پر بنی ہوئی ہیں جس سے ان لوگوں کے لطافتِ ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ صحن کے اطراف سات ستون ہیں دالان کے ایک جانب باورچی خانہ ہے۔ جس میں لوہے کے چولھے، دیگچیاں، بادیہ، کٹورے وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔

دوسری گلی میں ایک اور گھر ہے۔ یہ ویٹی کا گھر کہلاتا ہے۔ غالباً اس گھر میں کسی خوش حال تاجر کا قیام رہا ہوگا۔ فرش بھی خوشنما اور منقش ہے سنگِ مرمر کی ایک خوبصورت میز ہے۔ جس کو تین شیر ببر اپنے سر پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہاں پر بنی بُت بھی رکھے ہوئے ہیں۔ ان بتوں کی آنکھیں چاندی کی ہیں۔ یہاں ایسے مرمر بھی ہیں جو شیشے کی طرح شفاف ہیں۔ دیواروں کے بعض حصّوں پر ٹوٹے ہوئے پلاسٹر میں فرشتوں کی تصویریں بنائی گئی ہیں ان گھروں کی زیب و زینت، تصویروں کی خوبی اور مرمریں بتوں کے حسن تناسب پر حیرت ہوتی ہے۔ آگے جب ہم بڑھے تو گائڈ نے دیوار پر لکھے ہوئے کچھ لاطینی حروف بتائے اور ان کا ترجمہ سُنایا تو عقل دنگ رہ گئی یہ الیکشن کی تحریر تھی جس میں کسی امیدوار کا نام تھا اور شہر والوں سے اپیل تھی کہ اس کو ووٹ دیا جائے گویا پامپی آئی کی بربادی کے وقت شہر میں انتخاب کا ہنگامہ جاری تھا۔ اور امیدواروں کے طرفدار دیواروں پر بالکل اسی طرح لکھتے تھے جس طرح آج لوگ ہمارے ملک میں لکھتے ہیں

یہاں سے تھوڑی مسافت پر ایک گلی ہے جس میں پہنچنے کے بعد فوراً ہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیکری یا روٹی پکانے والوں کی گلی ہے۔

www.taemeernews.com

دونوں جانب گیہوں کی چکیاں ہیں جن کو شاید غلام چلاتے ہیں ادر کئی ایک دکانوں میں تنوّر بنے ہوئے ہیں ان میں سے دو ایک کے پاس روٹیاں دھری ہوئی ہیں۔ یہ جل کر پتھر کے مانند سیاہ ہو گئی ہیں لیکن ان کی ساخت اور وضع قریب قریب آج کل کی ڈبل روٹیوں کی سی ہے۔

شہر کی گنجان آبادی کے حصّے سے کچھ پرے ایک تھیٹر ہے جو بالکل نصف دائرہ کی شکل میں اسٹیڈیم کے مانند بنا ہوا ہے۔ اسٹیج نیچے ہے لوگ سیڑھیوں پر بیٹھ کر تماشہ دیکھا کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زلزلہ کے وقت کوئی تماشہ ہو رہا تھا۔ کیوں کہ تھیٹر اور اس کے اطراف بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جو لوگ تماشہ دیکھنا چاہتے تھے ان کو داخلہ کے لئے ٹکٹ لینا پڑتا ٹکٹوں کی ایک بڑی تعداد وہاں دستیاب ہوئی ہے۔ ٹکٹ ہاتھی دانت کے ہوتے تھے اس میں علیٰحدہ علیٰحدہ نشان سے پتہ لگتا تھا کہ یہ ٹریجیڈی کے ہیں یا کومیڈی کے غالباً یہ سال بھر کے لئے کچھ قیمت ادا کرنے پر دیئے جاتے تھے اور تماشائی ان کو مستقل پاس کی طرح استعمال کرتے تھے۔

ایک اور قابل دید مقام پامپی آئی کا اسکول ہے یہ ایک نہایت ہی وسیع صحن والی مستطیل عمارت ہے دونوں جانب اکیس ستونوں کے دالان، ایک دوسرے کے مقابل بنے ہوئے ہیں اور دوسرے دو رُخ پر چودہ ستون کے دالان ہیں۔ وسط صحن میں باغیچہ ہے اور دالانوں میں مدرسہ کے رہنے والے طلباء کے کمرے بھی ہیں۔ اس اسکول میں تقریباً ستر لاشیں ملیں اور یہ غالباً ان طلباء کی ہوں گی جو وہاں سے بھاگ کر باہر نہ آسکے ایک کنارے پر کسی اُستاد نے دیوار پر یونانی زبان کے حروف بھی لکھے ہیں

www.taemeernews.com

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلیم میں کتابت کا زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ اسکول کے اطراف میدان ہے جس میں کھیل کود اور کشتیوں کے دنگل ہوا کرتے تھے

غرض اس ویران شہر کا نظارہ نہایت ہی عبرتناک ہے۔ تفصیل سے دیکھنے والوں کے لئے دو ہزار سال پہلے کی تہذیب کا صحیح اندازہ ہوتا ہے شہریوں کے استعمال کی صدہا ہزارہا چیزیں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں تو ان میں سے کچھ دبی میں جمع کر کے رکھ دی گئی ہیں۔ اور بہت سی ناپولی کے میوزیم میں منتقل کر دی گئی ہیں بالوں میں لگانے کے پن گلے کے اور ہاتھوں کے زیورات مختلف پیشہ وروں کے آلات اور اوزار، شیشے مرتبان، جراحی کے آلات۔ مختلف قسم کے نشتر، چاقو، شراب کے پیالے اور خم اور برتن بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ رنگین اور چکنے برتن بھی موجود ہیں۔ گلدان عمدہ اور رنگین پائے جاتے ہیں چھوٹے مجسّموں کی بہتات ہے اور ہر ایک گھر میں دو ایک دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے ہزارہا چیزیں ضائع ہو گئیں۔ اور بقیہ عجائب گھروں میں رکھی گئی ہیں۔

ناپولی کے میوزیم میں آلات اور اوزار کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہاں مختلف قسم کے برتن دیگچیاں اور رکابیاں محفوظ ہیں۔ میز پر رکھنے کی چاندی کی چھریاں اور کانٹے بھی ہیں۔ عورتوں کے ڈریسنگ کرنے کی ضروریات بھی ہیں۔ ہاتھی دانت کی کنگھیاں۔ گلے کی سونے کی زنجیریں ہیں اور لچھے، سیاہی، کی دوات اور قلم بچوں کے کھلونے وغیرہ غرض متعدد چیزیں ہیں، جو جاذب نظر ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے پہل جب اس شہر کی کھدائی شروع ہوئی تو عجیب و غریب نظارے دیکھنے میں آئے ایک گھر میں ایک عورت کی لاش ملی جس کے ہاتھ میں ایک تھیلی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی یہ غالباً اپنی دولت سمیٹ کر

www.taemeernews.com

جان بچانے کے لئے جا رہی تھی۔ کہیں ماں اور بیٹی کی لاشیں تھیں۔ کہیں گلیوں میں دوڑتے ہوئے لوگوں کی لاشیں ملبے کے نیچے دبی ہوئی ملیں۔ طرفہ ترین نظارہ شہر کی فصیل کے دروازے پر کھڑے ہوئے سنتری کا تھا کہ یہ اپنے باکس میں اسی طرح ڈیوٹی پر کھڑا ہوا تھا، ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں اپنے دامن اور عبا کو تھام کر ناک اور منہ کو بچا رہا تھا، کہ زہریلی گیس سے بچے اسی طرح کھڑے کھڑے اس نے ڈیوٹی ادا کی، اور جان دی۔ رومی سپاہیوں کے ضبط اور تعمیل احکام کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔

۵۷

---

www.taemeernews.com

سفر و سیاحت

دُنیا کے عجائبات کو جاننے اور نئے نئے معلومات حاصل کرنے کے لئے سب سے بہتر ذریعہ سفر ہے۔ اپنے وطن میں جب تک ہم ایک جگہ مقیم رہتے ہیں تو ہماری نظر میں وسعت خیالات میں تازگی نہیں پیدا ہوتی۔ ہمارے دماغ کی حالت بالکل اس گندہ اور سڑے چشمہ کی سی ہے جس میں نہ تو باہر سے تازہ پانی آتا ہے اور نہ اس میں سے سوتیں بہہ کر باہر نکلتی ہیں۔ سیاحت کے لئے جب ہم اپنے شہر یا ملک سے باہر جاتے ہیں تو ہمیں نئی نئی چیزیں نظر آتی ہیں اور مختلف قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے اور ہمارے تجربے آئندہ زندگی میں کار آمد ہوتے ہیں طرح طرح کے رسم ورواج کو دیکھنے کے بعد ہم کو اپنے طرزِ طریق کی خوبیاں اور بُرائیاں معلوم ہونے لگتی ہیں۔ ان فائدوں کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ تجارت کرنے والے سفر و سیاحت سے اپنے معاملات میں نفع حاصل کرتے ہیں۔ سمندری سفر کرنے والے تاجر ایک ملک سے دوسرے ملک کو مختلف اشیاء لے جاتے ہیں اور گراں قیمت پر بیچ کر بہت دولت مند ہو جاتے ہیں۔

تم نے الف لیلیٰ میں سندباد جہازی کا قصہ پڑھا ہوگا کہ اس نے

www.taemeernews.com

کس طرح سمندر کے سات خطرناک سفر طئے کئے تھے۔ اور ہر سفر میں بے حد و حساب دولت حاصل کی تھی لیکن اس زمانے میں سفر کی سہولتیں ایسی مہیا نہیں تھیں جیسی کہ آج ریلوں اور دخانی جہازوں کے طفیل میں ہمیں میسر ہیں اور اسی لئے اس کو قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور صدہا آفتیں جھیلنی پڑیں سمندر کے سفر کی ان تکالیف کا خیال کرتے ہوئے فارسی کے مشہور شاعر شیخ سعدی نے کہا ہے۔ ؎

بہ دریا در منافع بے شمار است
اگر خواہی سلامت بر کنار است

یعنی دریا کے سفر میں بہت سے فائدے حاصل ہونے کی اُمید ہے لیکن کسی کی یہ خواہش ہے کہ آفتوں سے محفوظ رہے تو اس کو ساحل سمندر پر رہنے ہی میں امن نصیب ہوگا۔ ممکن ہے کہ بعض کمزور طبیعت والے بزدلوں کو یہ بات پسند آئے اور وہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے یا مصیبت جھیلے اپنی دال روٹی پر قناعت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور سفر سے نفرت کرنے لگیں لیکن باہمت اور شیر دل نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ دن رات اپنے دماغ میں اپنے خیالات کو جگہ دیں۔ جن سے اولوالعزمی اور بلند حوصلے پیدا ہوں ہمارے مشہور شاعر سر اقبال مرحوم نے مسلمانوں کو بے حسی پہ غیرت دلاتے ہوئے کہا ؎

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

یعنی اگر زندگی چاہتے ہو خطروں میں گھر کر زندہ رہنا سیکھو اس واسطے کہ خوف و خطر کے طئے کئے بغیر کوئی انسان اس دنیا میں نام آوری حاصل نہیں کر سکتا۔

www.taemeernews.com

آج دنیا کی جو بڑی بڑی قومیں اپنی دولت اور تجارت کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں بچے نوجوان اور بوڑھے سب کے سب سفر کے بے انتہا شائق ہوتے ہیں اور جب کبھی ان کو موقع ملتا ہے۔ ہزاروں میل کے فاصلہ پر روانہ ہو جاتے ہیں اور ایک مدت تک وطن سے باہر رہ کر دولت کمانے کے بعد اپنے مقام کو واپس ہوتے ہیں اور آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں لیکن جس قوم کے نوجوان سفر اور سیاحت پر گھر کے آرام کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ قوم کبھی اس دنیا میں ترقی نہیں کر سکتی۔ یہی شوق تھا جس نے کولمبس کو چین اور آرام سے گھر میں بیٹھے رہنے سے باز رکھا۔ اور اس نے آخر کار نئی دنیا کا پتہ لگایا۔ واسکوڈی گاما نے اسی سفر کی بدولت یورپ اور ہندوستان کے درمیان تجارت کے لئے بحری راستہ ڈھونڈ نکالا۔

کولمبس اسپین کا باشندہ تھا۔ اور واسکوڈی گاما پرتگال کا رہنے والا تھا۔ اسپین اور پرتگال کے باشندوں میں سفر کا شوق مسلمانوں کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ان ملکوں میں تقریباً آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی تھی اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ گزشتہ زمانے میں دنیا میں میں سب سے زیادہ سفر کرنے والے اور جہازرانی میں شہرت رکھنے والے صرف مسلمان ہی تھے۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے مسلمان سیاح اور تاجر پردے کے جہازوں اور کشتیوں میں بیٹھ کر خلیج فارس اور بحر قلزم روانہ ہوئے تھے۔ اور جنوبی آفریقہ، ہندوستان، سیلون، کلایا، جاوا، اور سوماترا اور ساحل چین تک آیا جایا کرتے تھے۔ بغداد میں جو تجارت کی منڈیاں تھیں ان میں مال چین سے اور شمالی یورپ سے آیا کرتا تھا سمور کی کھالیں جو صرف

www.taemeernews.com

بحر منجمد شمالی میں پائی جاتی ہیں آج سے ایک ہزار سال پہلے بغداد کی دکانوں میں ملتی تھیں۔

تجارت کے علاوہ ان سفر کرنے والوں کا ایک اور مقصد بھی تھا اور وہ یہ کہ قابل اشخاص علم کی تلاش میں مختلف ممالک کی سیر کرتے تھے اور نئے نئے جغرافیائی اور تاریخی معلومات حاصل کرتے تھے۔ اسی زمانے کا ایک مشہور مصنف جس کا نام اسلامی تاریخ میں یادگار ہے دنیا کی تاریخ لکھنے کے خیال سے مختلف ممالک کا سفر کرنے کے لئے نکلا اس کا نام مسعودی تھا۔ اس نے عراق، شام، عرب، ایران، مصر، آفریقہ، ہندوستان وغیرہ کی سیاحت کی اور جو کچھ اپنی آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا اپنی کتاب میں لکھا آج اس کی کتاب ہمارے لئے ایک نعمت ہے۔ کیوں کہ اس کے ذریعہ سے صحیح صحیح حالات معلوم ہوتے ہیں۔ یہ پڑھ کر تم کو تعجب ہوگا کہ اس زمانے میں سفر و سیاحت کا شوق مسلمانوں میں پایا جاتا تھا۔ بات اصل یہ ہے کہ اس میں ہماری گھریلو تربیت کا قصور ہے۔ ہماری مائیں اپنی محبت اسی میں سمجھتی ہیں کہ ان کی اولاد ان کی نظر کے سامنے رہے خواہ وہ غریب ہوں یا فقیر۔ پیٹ بھر کر کھانا نہ ملے تو کچھ پرواہ نہیں لیکن لڑکا اپنی نظروں سے غائب نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کو اپنے وطن میں دولت کمانے کا موقع نہیں ملتا۔ لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ماؤں کی غلط محبت کی وجہ سے اولاد میں بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

نوجوانوں کو یہ عہد کرلینا چاہیئے کہ جب کبھی موقعہ ملے وہ سفر و سیاحت سے گریز نہیں کریں گے۔

www.taemeernews.com

پاگل خانے کی سیر

یادش بخیر میرے ایک دوست پاگل خانے میں رہتے ہیں، لیکن میرے اس کہنے سے کوئی صاحب یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ خدانخواستہ میرے دوست پاگل واقع ہوئے ہیں۔ اور بحیثیت پاگل بدست دیگرے وہاں پہنچائے گئے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میرے دوست کے ایک قریبی عزیز پاگلوں کی اصلاح اور شب و روز ان کی نگہبانی کے لئے مقرر ہیں، میرے دوست بھی اپنے عزیز کے ہمراہ عقلمندوں کی اسی سکونت گاہ کے احاطہ میں رہا کرتے ہیں۔ اب رہا اس امر کے متعلق یہ تصفیہ کرنا سخت مشکل ہے کہ آپ نے جو اس جگہ کو پسند فرمایا ہے، تو محض اپنے عزیز کے قیام کی وجہ سے ہے، یا اور کوئی ایسی حقیقی لیکن مخفی مناسبت آپ میں اور وہاں کے مکینوں میں موجود ہے جس کی بنا پر ہم کہہ سکیں۔ ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

بہرحال اس مسئلہ کو وہی صاحب اچھی طرح سمجھ سکیں گے جو "ولی را ولی می شناسد" کے اصول سے خوب واقف ہیں۔ آمدم برسر مطلب، میرے پاگل خانے والے دوست (میرے کی نسبت بلاشبہ دوست کے ساتھ ہے۔ پاگل خانے سے کچھ علاقہ نہیں) دوست نوازی کے جملہ مراتب سے خوب

www.taemeernews.com

واقف ہیں۔ اور میری افتاد طبیعت کی بھی خبر رکھتے ہیں اسی لئے مجھے وہاں
جانے کی تکلیف نہیں دیتے، بلکہ خود ہی اس کلبۂ احزاں کو اپنی تشریف آوری
سے بقعۂ نور بنایا کرتے ہیں، بدقسمتی کہیئے یا خوش قسمتی کہ ایک دفعہ آپ کی
سکونت گاہ پر حاضری دینے کا موقعہ رہا۔ بدقسمتی اس لئے کہ جس روز یہ موقعہ
پیش آیا۔ رات بھر نیند نہ آئی، کیوں کہ آپ کے یعنی میرے دوست کے پڑوسیوں
کی حرکات کا تصور نیند کو ایک جارحانہ کامیاب حملہ کے بعد شاندار پسپائی
کے لئے مجبور کر دیتا تھا۔ خوش قسمتی اس لئے کہ دن کے دلچسپ مشاہدات
کا موقعہ نہ ملتا تو ناظرین سفینہ[1] کی ضیافت طبع کا سامان کیسے مہیا ہو سکتا۔

میرے دوست اپنے ہم ہمسایوں کی طرز پر ہمیشہ ننگے سر رہا کرتے
ہیں۔ آپ میں اور آپ کے ہمسایوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ موخرالذکر
بزرگواروں کی چندیا بالوں کے احسان سے بے نیاز رہا کرتی ہے، لیکن آپ
کے فرق مبارک پر بالکل جدید فیشن کے کٹے ہوئے بال ہیں۔ جن میں گلیسرین
اور وازلین کی آمیزش کا اثر صاف نمایاں ہوا کرتا ہے۔ یہی وہ مابہ الامتیاز
صفت ہے جس کی بدولت آپ اُن میں اور اُن کے پڑوسیوں میں فرق کر سکتے
ہیں جس وقت میں وہاں گیا میرے دوست اپنی قیام گاہ سے غائب تھے
اور مجھے بعد کو یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ آپ اس وقت میرے
مکان کو تشریف لے گئے تھے۔ بہرحال کچھ دیر کے قیام سے میں نے وہاں
جو کچھ باتیں سنیں، حرکات دیکھے اور تجربات حاصل کئے اُن کو آپ کی خدمت
میں پیش کر رہا ہوں۔ کاش میرے "شرمیلے" دوست کو یہی مضمون اس
امر پر مائل کرے کہ وہ اپنے تجربات بھی مقابلتاً بیان کرنے کے قابل ہوں۔

---

[1] سفینہ ... [illegible]

www.taemeernews.com

خدا کرے وہ دن آئے۔

اس دلکشا باغ کے احاطہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا تماشہ جو پیش نظر ہوا وہ ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہمارے کالج[1] کے شعبہ ہائے سائنس و ریاضی و منطق کے اساتذۂ کرام اس کو حل نہ کرسکیں احاطے کے دروازے سے ایک سیدھی سڑک اندرونی حصہ کی جانب جاتی ہے دورویہ ہری ہری دوب کا شانی مخمل کا سا سماں دکھاتی ہے اور جابجا خوشنما گملوں میں پھولوں کے درخت موجود ہیں اور کیاریوں میں آبیاری کے لئے اُن ہی عقلمند حضرات سے کام لیا جاتا ہے جو ہفتہ میں ایک دفعہ ولنگٹن سینما میں متحرک تصاویر کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک مخصوص گاڑی میں تشریف لایا کرتے ہیں اور بسا اوقات اسی پردے کی جانب پشت کئے ہوئے بیٹھتے ہیں جس پر تماشہ نظر آیا کرتا ہے۔ بہرحال یہی عقلمند حضرات باغبانی کے اہم فرائض ادا کرتے ہیں۔ میں جس وقت وہاں پہنچا دو ایک اصحاب ایک نل کے قریب کھڑے نظر آئے۔ تجسس اور جستجو کی عادت نے اس امر پہ مجبور کیا کہ کچھ دیر ٹھہر کر ان کا تماشہ دیکھوں ایک صاحب جو بظاہر مرد مقطع تھے ایک بڑا سا مٹکا لئے ہوئے آئے تاکہ نل کے پاس پانی بھرلیں۔ اور کیاریوں میں ڈالیں۔ یہاں تک تو آپ کی حرکات میں اور ہماری معمولی حرکات میں کسی قسم کا تفاوت نہ تھا۔ اب یہیں سے وہ بیّن فرق محسوس ہوتا ہے جو آگے چل کر ایک عقدۂ لاینحل کی سی شکل اختیار کرلیتا ہے وہی مٹکے والے صاحب نل کے پاس پانی بھرنے کے لئے پہنچے تو معلوم نہیں آپ نے کن امور کی وجہ سے عادت مستمرہ کے بالکل خلاف مٹکے کو نل کے

---

[1] محمڈن کالج مرحوم

www.taemeernews.com

نیچے منہ کے بل رکھ دیا، اور نل کھول دیا، لیکن باوجود کچھ عرصہ کے انتظار کے آپ نے جب اُلٹے مٹکے کو جنبش دی تو ظاہر ہوا کہ پانی کا ایک قطرہ تک اس میں موجود نہیں۔ اب لحظہ بہ لحظہ آپ کی حیرانی بڑھتی گئی۔ کیوں کہ مسئلہ بالکل صاف تھا۔ صغریٰ کبریٰ کی ترکیب بھی بالکل درست تھی، لیکن نتیجہ حسبِ مرضی نہ تھا، نل کھلا ہوا تھا اور مٹکا نیچے رکھا ہوا تھا لیکن اس کو نہ بھرنا تھا نہ بھرا۔ تعجب وحیرت کی وہ نظریں شاید میں ایک مدت تک نہ بھول سکوں گا۔ ان مجسمۂ عقل وفطانت حضرت نے اس پیچیدہ مسئلہ کو دوسرے حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ سب اس مشکل کو حل کرنے میں قاصر رہے۔ میں نے آگے بڑھ کر مٹکا سیدھا رکھ دیا۔ اور آناً فاناً وہ پانی سے لبالب ہو گیا۔ ان حاضرین کے چہروں سے جس حیرت کا اظہار ہو رہا تھا شاید اس کا ایک شمہ بھی اس شخص کو نصیب نہ ہوگا۔ جس کی قسمت میں ڈربی کے لاکھوں روپیہ والے ٹکٹ نکلے۔ واقعی "عقل وخرد" کے کرشمے زندگی میں روزانہ ہزاروں دیکھا کرتے ہیں۔ لیکن آج ان کی کمیابی اور نایابی کے کرشمے دیکھنے کا پہلا ہی موقعہ تھا۔ جی چاہا کہ کچھ آگے بڑھوں اور شاید کچھ اور دیر تک لطف اندوز ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ میرے تجربات "المختصر" ہو کر رہ گئے۔ ایک صاحب اپنے کمرے سے نکل کر نہایت ہی تیزی کے ساتھ میری جانب دوڑ کر آنے لگے۔ اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلی سے وہ میری طرف اشارہ کر رہے تھے اب آپ معاف فرمائیں، میں اپنی فطرت کو بے نقاب کر رہا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ان جوانمردترین جوانمرد حضرات سے ہوں جن کی شان میں یہ کہا گیا ہے کہ "پتہ کھڑکا اور بندہ سرکا" اور اس "جوانمردی" کی داد میرے

www.taemeernews.com

وہی احباب دے سکتے ہیں جنہوں نے مجھے ایک بھونکنے والے کتے سے خائف ہو کر تقریباً آدھا فرلانگ بھاگتے دیکھا ہے۔ حالانکہ کتا اُسی دروازے کے پاس رہ گیا جس جگہ وہ بیٹھے ہوئے غرّا رہا تھا۔ بنا بریں میں نے یہی خیال کیا کہ دوڑنے والے صاحب نے مجھی کو تاکا ہے۔ اور اسی خیال کو "بلا دو پیازی قیاس" سے اور بھی تقویت حاصل ہوئی کہ انگلی سے شاید وہ میری آنکھ پھوڑنا چاہتا ہے۔ چنانچہ قریب تھا کہ ہوش و حواس بلا اجازت سپاٹ ہو جائیں۔ لیکن اس پریشانی میں صرف بھاگنے کی سوجھی اور میں نے تیزی سے بھاگ کر دروازے کے باہر دم لیا۔ کاش اسی تیزی کے ساتھ میں کالج اسپورٹس میں دوڑنے کے لئے تیار ہو جاتا تو شاید اول انعام کسی دوسرے کو ہرگز نہ ملتا۔ بہر حال دروازے کے باہر جس بے سر و سامانی سے نکلا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دربان نے اس وحشت اور گھبراہٹ کی وجہ پوچھی میں واقعہ سنایا۔ اس نے نہایت ہی متانت کے ساتھ مسکرا کر کہا کہ اس بے چارے کا قاعدہ ہے کہ وہ اسی طریقے سے نو واردوں سے سگریٹ طلب کیا کرتا ہے۔ اور شاید انگلی سے اس نے سگریٹ کا اشارہ کیا ہو۔ اس تشریح کے بعد میری جبیں عرق آلود ہوئی ہو گی یا نہیں صرف وہی حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں جن کو اسی قسم کے واقعات پیش آئے ہوں۔ میں نے بہ غور اپنے گرد و پیش دیکھا، سوائے دربان کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ دل ہی دل میں میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

دروازے کے باہر نکلنے کے بعد میں نے دوبارہ داخل ہونا مناسب نہ جانا اور بہ خیر و عافیت گھر پہنچنے میں سلامتی کی راہ دیکھی۔ یہاں پہنچ کر اسی تصور میں گھنٹے گزرے کہ ایک صاحب جو ہمیشہ میرا وقت ضائع کرتے ہیں، تشریف لائے اور انہوں نے ایک چھوٹی سی انگریزی کتاب دی۔

www.taemeernews.com

یہ ایڈگر ایلین پو کی تخیلی اور پراسرار مختصر کہانیوں کا مجموعہ تھا۔ میں نے دل بہلانے کے لئے ان سے کتاب مانگ لی اور کئی ورق الٹنے کے بعد ایک دلچسپ کہانی پڑھی۔ حسن اتفاق سے وہ بھی اس موضوع پر تھی جس پر میں نے اب تک دو چار صفحے سیاہ کئے ہیں۔ پڑھنے کے بعد میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ناظرین سفینہ کو اس سے لطف اندوز ہونے کا موقعہ دوں چنانچہ اس کا مختصر خلاصہ تفنن طبع کے لئے پیش کرتا ہوں۔

ایڈگر ایلین پو نے اپنے تخیلی افسانے کو ذاتی تجربات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اور اس قدر خوبی کے ساتھ کہ چھوٹے سے چھوٹے واقعات تک کچھ اس تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں کہ سچ مچ آنکھوں کے سامنے تصویر پھر جاتی ہے۔ لیکن میں اس قدر تفصیل سے کام لینا غیرضروری سمجھتا ہوں۔ اس لئے اس "بدیشی" مال کو "سودیشی" بنانا چاہتا ہوں۔ مفہوم اور تخیل مصنف کا ہوگا لیکن الفاظ میرے اگر آپ کو داد دینا ہو تو ذرا ہوشیاری سے دیکھئے ذرا غور سے سنئے۔ انیسویں صدی کے کسی موسم خزاں کا واقعہ ہے کہ جنوبی فرانس کی سیر و سیاحت میں مجھے ایک ایسے علاقے سے گزرنا پڑا جہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک پرائیویٹ پاگل خانہ تھا۔ پیرس میں میرے دوست ڈاکٹر ڈ... نے اس کی بہت تعریف کی تھی جی نہ چاہا کہ بغیر دیکھے گزر جاؤں، میرے ہمسفر ساتھی کو میں نے ترغیب دلائی تاکہ پاگل خانے تک ہو آئیں۔ لیکن وہ بندۂ خدا پاگل خانے کے نام سے کچھ ہراساں محسوس ہوتا تھا۔ کبھی تو اس نے منزل مقصود کو جلدی سے پہنچنے کا عذر کیا، اور کبھی دبی زبان سے یہ اقرار کیا کہ پاگلوں کو دیکھنے سے طبیعت پر دہشت غالب ہوتی ہے میں نے مصمم ارادہ کرلیا، میرے ہمراہی نے اتنی مہربانی کی کہ پاگل خانے

www.taemeernews.com

تک رہنما بننے کا دلچسپ فرض اپنے آپ پر عاید کرلیا۔ راستہ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر سے ہو نکلا تھا۔ کچھ دور جاکے ہمیں ایک بھیانک اور سنسان جنگل میں سے گزرنا پڑا، جس میں درختوں اور جھاڑیوں کی کثرت سے کافی اندھیرا تھا۔ منزل کا ہیبت ناک تصور اور راستے کی ویرانی پائے ثبات کو متزلزل کئے دیتی تھی۔ ہمراہی کے طعن کا خوف نہ ہوتا تو شاید واپس بھی ہوتا۔ لیکن دل کو مضبوط کر کے آگے بڑھا۔ اس سنسان اور گھنے جنگل میں تقریباً دو میل تک چلنے کے بعد ہمیں ایک عجیب و غریب ویران قلعہ نما عمارت نظر آئی۔ باہر ہی سے اس پر وحشت برستی تھی، سچ تو یہ ہے کہ ناقابل رہائش تھی، میرے ساتھی نے اطلاع دی کہ یہی وہ پرائیویٹ پاگل خانہ ہے۔ جس کی زیارت کا شوق مجھے یہاں تک کشاں کشاں لایا تھا۔ واقعی میرا ہمراہی رہنما نہ ہوتا تو اس میں داخل ہونا بھی محال تھا، کیوں کہ بغیر تعارف کے یا کسی سفارشی خط کے ناظر "دارالمجانین" کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

میرا ہمسفر ناظر دارالمجانین موسیو میلارڈ کا واقف کار تھا۔ جیسے ہی ہم اس عمارت کے قریب پہنچے، ہم نے دیکھا کہ موسیو میلارڈ دروازے کو کچھ کچھ کھلا رکھے ہوئے جھانک رہے ہیں۔ انہوں نے میرے ہمراہی کو پہچانا اور خوب آؤ بھگت کی، میرے دوست نے رسمی طور پہ میرا تعارف کرا دیا۔ اور خود اجازت لے لی، موسیو پرانی طرز کے باطلاق آدمیوں سے تھا، وہ مجھے اپنے کمرے کی طرف لے گیا' میرے لئے ہر چیز اس عمارت کے اندر اعجوبہ کا حکم رکھتی تھی۔ سب سے پہلے میری نظر اس کمرے میں ایک نازک اندام نوجوان لڑکی پر پڑی جو سیاہ لباس پہنے ہوئے ایک پیانو کے قریب بیٹھی ایک عام پسند گیت بجا رہی تھی، میں نے اس نوخیز لڑکی کو مشتبہ نگاہوں

www.taemeernews.com

سے دیکھا۔ چہرے پر کچھ رنج والم کے آثار تھے، آنکھوں میں کچھ عجیب قسم کی چمک تھی، لیکن اس کے عادات واطوار میں کوئی غیر معمولی بات نہ پائی جاتی تھی۔ اس کمرے میں میں نے بہت ہی احتیاط سے باتیں کیں، کیوں کہ مجھے خوف تھا کہ کہیں یہ بھی "ان" ہی میں سے نہ ہو۔ میرا شبہ کچھ اس لئے قوی ہو گیا تھا کہ میں نے اپنے معتبر دوستوں کی زبانی سُنا تھا کہ اس پاگل خانے میں پاگلوں کو آزادی دی گئی ہے۔ اور وہ ہر جگہ آنے جانے کے مجاز ہیں ان کی جملہ حرکات و سکنات کی نگرانی کی جاتی ہے لیکن وہ مطلق العنان ہی رکھے جاتے ہیں۔ میری احتیاط کا یہ عالم تھا کہ دورانِ گفتگو میں میں نے کوئی ایسا کلمہ نہیں کہا جو کسی دیوانے کو چراغ پا کرنے کے لئے کافی ہو۔ اس بے چاری کی گفتگو سے حزم و احتیاط اور عقل وفہم کا اندازہ ہو رہا تھا لیکن میں نے اپنی عمر میں بہت سے ایسے پاگل بھی دیکھے تھے جو فہم و دانش کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اور صرف کبھی کبھی اپنی اصلی علامت کو ظاہر کر دیتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ لڑکی روانہ ہو گئی اور میں نے مستفسرانہ نگاہوں سے موسیو میلارڈ کی طرف دیکھا۔ موسیو نے میری نگاہوں سے میرے دل کا مضمون بھانپ لیا۔ اور فی الفور میرے شبہات کو دور کرنے کے لئے کہا "ہرگز نہیں۔ یہ اُن میں سے نہیں، یہ تو میرے خاندان کے افراد سے ہے۔ میں نے اطمینان کی سانس لی اور اپنے ان بیہودہ شبہات کی معافی چاہی۔ ساتھ ہی میں نے یہاں کے جدید طریقۂ علاج کو اپنے شبہات کی اصلی وجہ قرار دی۔ موسیو میلارڈ نے کہا کہ آپ کی عذر خواہی کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس قدر دور اندیشی سے کام لیا۔ ورنہ اس سے پہلے جب کہ میرا طریقۂ علاج رائج تھا،

www.taemeernews.com

ایسی بہت سی غلطیاں نوواد د معائنین کی وجہ سے پیش آیا کرتی تھیں۔
یہی وجہ ہے کہ میں نے اب سب کو بالکل علحدہ رکھا ہے۔ اور اب ممکن
نہیں کہ کوئی شخص جس پر مجھے اعتماد نہ ہو پاگلوں کے قریب بھی جا سکے
موسیو میلارڈ کی گفتگو نے مجھے حیران کر دیا۔ اور میں نے متعجب
ہو کر پوچھا کیا یہاں آپ کا وہ طریقۂ علاج رائج نہیں جس کو عوام "آرام دہ
طریقہ" کہا کرتے ہیں۔ اور جس کے متعلق میں نے پیرس میں بہت کچھ سنا
تھا۔ ناظر دارالمجانین نے اس امر کا اقرار کیا کہ اب وہ طریقۂ علاج ہمیشہ کے
لئے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کے فوائد کے متعلق بہت کچھ مبالغہ
سے کام لیا جاتا تھا۔ ہم نے اس کو خوب آزمایا۔ کاش آپ اس وقت
آتے اور ذاتی طور پر اس سے واقف ہوتے۔ اس کے بعد موسیو میلارڈ
نے اس طریقۂ علاج کی تشریح کی اور بتایا کہ اب سے پہلے پاگلوں کو بالکل ان
کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ان کے دماغ میں جو کچھ خیالات جاگزیں ہوتے
تھے ان کی تائید کی جاتی تھی، بلکہ بسا اوقات ان کو ترغیب و تحریص کے
ذریعہ سے ابھارا جاتا تھا۔ تاکہ وہ اپنے خیالات کو بالکل سچ سمجھیں، سچ تو یہ
ہے کہ پاگل کے دماغ کو اس قسم کے سلوک سے بہت بڑا فائدہ پہنچتا ہے
مثلاً ہمارے ہاں دو ایک ایسے بھی دیوانے تھے جنہیں یہ خبط تھا کہ وہ
فی الحقیقت مرغی کے چوزے ہیں۔ اس خبط کی تردید کے عوض ہم نے
اُن کے اس خیال خام کو بالکل صحیح قرار دیا اور غذا کے لئے اناج کے چند
دانے سامنے بکھیر دیئے۔ ایک ہفتہ تک اسی طرح رکھا گیا۔ اور سچ تو یہ ہے
کہ اس طریقے سے عجیب ہمت افزا نتائج برآمد ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں
تفریح اور دل لگی کے لئے ہر قسم کے کھیل مہیا کئے جاتے تھے۔ مطالعہ کیلئے

www.taemeernews.com

کتابیں بھی دی جاتی تھیں، اور بظاہر ہم اپنے پاگلوں سے اس طرح پیش آتے تھے کہ گویا ہم کسی معمولی بیماری کا علاج کر رہے ہیں۔ بسا اوقات پاگلوں کو ہی محافظ بنا دیا جاتا تھا۔ جنون اور دیوانگی کا نام تک زبان پہ نہ آتا تھا۔

پاگلوں پر ہمارا غیر معمولی اعتماد ان کے حق میں مفید ثابت ہوتا تھا اس طریقہ سے ایک اقتصادی فائدہ بھی حاصل تھا کہ ہم محافظین کے اخراجات سے بچ جاتے تھے نہ تو ہم انھیں سزائیں دیتے تھے اور نہ بالکل علاحدہ مقید کرتے تھے۔ ہاں البتہ کسی کو زور کا دورہ ہوتا اور اس کی آزادی دوسروں کے حق میں خلل انداز ثابت ہوتی تو اس کو ایک مخفی حجرے میں مقید کر دیا جاتا اور پھر یا تو اس کے دوستوں کے پاس یا سرکاری شفاخانوں میں روانہ کر دیتے مگر اب ہم نے اس طریقہ کو بدل دیا ہے۔ کیوں کہ اس میں بہت سے مضرات اور بعض اوقات خطرات پیش آنے کا اندیشہ تھا۔

مجھے ناظر دارالمجانین کی اس تقریر پر حیرت سی ہوئی، کیوں کہ جہاں تک مجھے علم تھا ملک میں سوائے اس طریقۂ علاج کے اور کوئی دوسرا طریقہ رائج نہ تھا۔ میرے میزبان نے میرے خیال کی تردید کی اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرنے سے روکا۔ بلکہ مجھے یقین دلایا کہ دیکھی ہوئی باتوں پر بھی بہت کم اعتماد کرنا چاہیئے۔ موسیو میلارڈ نے ڈنر کے بعد مجھے اس پاگل خانے کے مختلف حصے بتلانے کا وعدہ کیا۔ تاکہ میں اس کے بہترین اور موثر ترین طریقۂ علاج کو اچھی سے دیکھ سکوں ایک دو گھنٹے تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی میرے میزبان نے مجھے اس امر کی اجازت نہ دی کہ میں ڈنر کے پہلے پاگلوں کی حالت کا معائنہ کر سکوں، کیوں کہ اسے خوف تھا

www.taemeernews.com

کہ کہیں بھوک کی حالت میں پاگلوں کی وحشت ناک حرکات سے اعضا
پر مضر اثر نہ پڑے۔

چھ بجے ڈنر کے لئے ہم آیا۔ بڑے ہال میں پہنچے جہاں پچیس ۲۵
تیس ۳۰ بظاہر معزز آدمی جمع تھے۔ اس مجمع میں تقریباً دو ثلث
عورتیں تھیں۔ اور عجیب وغریب بات یہ تھی کہ نہایت ہی شوخ، رنگین
اور فوق البھڑک لباس پہنی ہوئی تھیں۔ ستر سالہ بوڑھیاں، سترہ سالہ
نظر آنے کی کوشش کرتی تھیں۔ جواہرات اور زیور سے گوندنی کی طرح
لدی ہوئی تھیں، اکثر تو ایسے لباس پہنے ہوئے تھے جو ان کے جسم کے لئے
یقیناً قطع نہیں ہوتے تھے۔ اس مجمع میں وہ دوشیزہ بھی تھی جس سے پہلے
پہل میرا تعارف ہوا تھا اس نے بھی کچھ عجیب سا لباس پہن رکھا تھا۔
ٹوپی اس قدر میلی اور اتنی بڑی اوڑھ کر رکھی تھی کہ اس کا چہرہ نہایت
ہی چھوٹا نظر آتا تھا۔ بہرحال عموماً لباس سے ایک قسم کی تعجب خیز وحشت
کا پتہ لگتا تھا۔ بلکہ مجھے اس مجمع کو مع اس عجیب وغریب لباس کے دیکھنے
سے یہی محسوس ہوا کہ موسیو میلارڈ مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے اور متحیر کرنے
کی کوشش کر رہا ہے کیا عجب ہے کہ اس کا قدیم "آرام دہ طریقہ
علاج" اب بھی رائج ہو اور یہ حضرات عقل و ہوش سے ہاتھ دھوئے
ہوئے بزرگوں میں سے ہوں۔ لیکن اس امر کی وجہ سے مجھے اطمینان ہو گیا
کہ میں نے پیرس میں سنا تھا کہ جنوبی فرانس کے باشندے کچھ عجیب و
غریب قدامت پسند واقع ہوئے ہیں، لباس اور طرز بود و ماند میں ان
کے خیالات بالکل حیرت انگیز ہیں۔ میں نے اس مجمع کی مختلف الہیئت
رنگینی کو اس پر محمول کیا، رہا سہا شبہ بھی اس وقت دور ہو گیا۔ جب کہ

www.taemeernews.com

مجھے دو ایک شخصوں سے گفتگو کرنے کی نوبت آئی جن کی باتیں سراپا عقل و خرد کا نمونہ تھیں۔

جس کمرے میں ہم کھانے کے لئے بیٹھے تھے وہ ایک معمولی اور سادہ کمرہ تھا۔ دس دریچے موجود تھے لیکن اندرونی جانب لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں، اور اس حیثیت سے اس قلعہ کا ایک محفوظ حصّہ کہلانے کے قابل تھا۔ اسی کمرے میں میز پر کھانے پینے کی اعلیٰ ترین اشیاء چُنی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی زندگی میں اس قدر اسراف اور بے جا خرچ کی مثال نہیں دیکھی تھی، ہر چیز نہایت ہی زیادہ مقدار میں تھی، لیکن ترتیب اور نظم میں قرینہ سرے سے مفقود تھا۔ کمرے میں جا بجا چاندی کے شمع دانوں میں کافوری شمعیں جل رہی تھیں اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جدھر نگاہ اٹھتی تھی شمع داں ہی شمع داں نظر آتے تھے روشنی سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ بہت سے ملازم خدمت میں سرگرم کار تھے، اور ایک کونے میں سات آٹھ آدمی ایک میز کے گرد اگرد ستار، طنبور، رباب، طبلہ لئے بیٹھے بظاہر گا رہے تھے۔ خدا کی پناہ، وہ چیخ پکار جس کو سب حاضرین تو موسیقی سمجھ کر لطف اٹھا رہے تھے لیکن میرے لئے یہی گانا "جہنم گوش" کا مصداق بنا ہوا تھا۔ غرض اس تماشے میں میرے لئے بہت سی باتیں غیر معمولی طور پر نادر اور اجنبی تھیں لیکن میں نے اس کو بہت جلد نظر انداز کر دیا۔ کیوں کہ دنیا مختلف خیال اور مختلف اوضاع والوں سے بھری ہوئی ہے۔ میں نے اپنے سفر میں بہت سی باتیں دیکھی تھیں۔ جو مختلف رسوم و رواج کی بنا پر اعجوبہ نظر آتی تھیں۔ بالآخر میں اپنے میزبان موسیو میلارڈ کی داہنی جانب نہایت ہی اطمینان سے بیٹھ گیا۔ خادم

www.taemeernews.com

بھوک تھی اس لئے ان امور پہ مزید غور کرنے کے بجائے میں نے میز پر چنی ہوئی اشیا کا منصفانہ استعمال شروع کر دیا۔

حسب معمول میز پر دلچسپ باتیں ہوتی رہیں تعجب خیز یہ امر تھا کہ سبھوں کے لئے موضوعِ سخن جنون اور دیوانگی تھا۔ میرا میزبان بھی اسی سلسلہ میں نہایت ہی ظریف اور خوش مذاق شخص ثابت ہوا۔ پاگل خانے کے مہتم کی حیثیت سے اس نے بہت دلچسپ واقعات سُنائے۔ چنانچہ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس قسم کے واقعات اور جنونیوں کے مضحکہ خیز خیالات کا ایک دلچسپ سلسلہ قائم ہو گیا۔

ایک موٹا شخص میری دہنی جانب بیٹھا تھا کہنے لگا کہ ہمارے ہاں ایک پاگل تھا جو اپنے آپ کو خاص انگریزی ساخت کا چائے دان سمجھتا تھا اور روزانہ اپنی پالش کو ایک لازمی امر قرار دیتا تھا۔ ایک لمبے شخص نے جو مقابل کی نشست پر متمکن تھا کہا کہ ابھی کچھ ہی دن گزرے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک جنونی تھا جو اپنے آپ کو گدھا سمجھتا تھا (کس قدر صحیح خیال تھا" داشد داد دیجئے) وہ نہایت ہی تکلیف دہ بیمار تھا۔ اس کو اپنے حدود میں رکھنے کے لئے بڑی دقتیں پیش آتی تھیں۔ سوائے گھاس پھوس کے کچھ نہ کھاتا تھا، اس کی اصلاح اس طریقہ سے ہوئی کہ اس کو گھاس کے سوائے غذا کی قسم سے اور کوئی چیز نہ دی گئی لیکن پھر بھی وہ اس طرح سے دو لتیاں جھاڑتا تھا۔

یہاں پہنچ کر راوی نے اس بیمار کی نقل میں خود بھی دو لتیاں جھاڑنی شروع کیں۔ لیکن اس کے برابر والی لیڈی نے اُس کو اس حرکت پہ ٹوکا۔ اور کہا کہ تمہاری دولتیوں نے میرے سایہ کے پرانچے اڑا دیئے۔ کیا واقعی اِس

www.taemeernews.com

بیمار کی حالت بیان کرنے میں اس قدر عملی مثالوں کی ضرورت ہے۔ ہمارے مہمان لفیصل خدا اس تمثیلی پیرایہ میں بیان کے بغیر بھی سمجھ سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ خود اس خر صفت انسان سے کئی درجے بڑھے جا رہے ہیں۔ لیڈی کی اس سرزنش پر موسیلوڈیکاک نے اپنی بے ہودہ حرکت کی معافی چاہی اور دو ایک رسمی باتوں کے بعد کھانے میں مشغول ہو گئے۔

میری حیرت لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی کہ یکایک دروازہ کھلا اور چار شخص ایک بڑی قاب کو اٹھائے ہوئے داخل ہوئے اور انھوں نے میز کے وسط میں ایک سارا بچھڑا دم پخت کیا ہوا رکھ دیا، میزبان نے مجھے کچھ دینا چاہا، لیکن مجھے اس عظیم الجثہ بچھڑے کی ہیئت سے گھن ہو چلی تھی۔ میں نے لینے سے انکار کیا اور وہ ایک چھوٹی سی رکابی کی طرف اشارہ کیا جس میں غالباً خرگوش تلا ہوا موجود تھا۔ چونکہ فرانس میں خرگوش کو بہت ہی عمدہ طور پر پکاتے ہیں، میں نے خواہش ظاہر کی، لیکن میرے میزبان نے ملازم کو حکم دیتے ہوئے کہ "وہ بھنی ہوئی بلی آپ کے سامنے رکھ دو" جس کو میں خرگوش سمجھے ہوئے تھا وہ بلی ثابت ہوئی۔ اُف رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جنوب فرانس کے ان باشندوں سے خدا پناہ میں رکھے۔ معلوم نہیں کیا کیا کھاتے ہیں اور کیا کھلاتے ہیں۔ اب خورد و نوش کے متعلق میں نے ذرا احتیاط سے کام لینا شروع کیا۔

میں تو حیرت سے ان الوان نعمت کی رنگینی پر غور کر رہا تھا۔ اور اُدھر میز پر پاگلوں کی مجنونانہ حرکات کا ذکر جاری تھا۔ کسی نے اس مجنوں کا ذکر کیا جس نے اپنے آپ کو پنیر کا ٹکڑا سمجھ رکھا تھا۔ وہ اپنے احباب کو چاقو دے کر درخواست کیا کرتا تھا کہ ذرا پنڈلی کا ایک ٹکڑا کاٹ لیں اور اُس

www.taemeernews.com

پنیر کا لطف اٹھائیں. ایک اور شخص نے بطور دخل درمعقولات کہا کہ اس احمق سے بدرجہا بڑھ کر وہ لایعقل تھا جو خود کو شامپین کی بوتل سمجھتا تھا. اور اپنی ناک سے اس آواز کی نقل کیا کرتا تھا جو بوتل کا کاگ اڑانے کے وقت ہوتی ہے. بڑا لطف تو جب ہوا کہ کہنے والے نے یہ کہہ کر خود اس آواز کی نقل شروع کر دی، یہی محسوس ہوتا تھا کہ شیشوں کے کاگ اڑ رہے ہیں. اور کف آلود شراب بہہ رہی ہے. ابھی اس محاکات کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ ایک صاحب کُلّ طویل..... کے مصداق کہنے لگے کہ ایک بیمار یہاں ایسا بھی تھا جو اپنے آپ کو مینڈک سمجھتا تھا. پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا. "کاش آپ اس کی عجیب و غریب حرکتوں کو دیکھتے". اس کا شور مچانا، اُچکنا، اور بار بار آنکھیں مٹکانا مضحکہ خیز تھا. یہ کہتے ہوئے یہ بزرگوار بھی اسی متعدی مرض میں مبتلا ہو گئے. یعنی "مینڈکانہ" حرکتیں شروع کر دیں. ایک صاحب نے اپنے شناسا پاگل کا ذکر کیا کہ وہ اپنے آپ کو "ناس" (غالباً مدراسی کی خوشبودار) سمجھتا تھا. اور اس امر پہ متاسف تھا کہ باوجود کوشش کے وہ چٹکی میں آ نہیں سکتا. ایک اور بھکڑ میز کے کنارے سے کہہ اٹھے کہ اسی پاگل خانے میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو خود کو "کدو" سمجھتا تھا. اور ہمیشہ باورچی کو اس امر پہ مجبور کرتا تھا کہ حلوا پکائے. ہر لحظہ میری حیرت بڑھتی جا رہی تھی لیکن موسیو میلارڈ کے متانت آمیز رویئے نے جمعیت خاطر کا سامان بہم پہنچا رکھا تھا.

میز پر بیٹھے ہوئے حضرات میں سے ایک صاحب نے اس عجیب و غریب پاگل کا ذکر کیا جو اپنے آپ کو دو سروں والا سمجھتا تھا. ایک سر تو روما کے مشہور بلیغ خطیب سسرو کا اور دوسرا مرکب سر لارڈ بروہام اور

www.taemeernews.com

خطیب یونان ڈیمو سنتھینز کا۔ افوہ! ان تینوں خطیبوں کی بلاغت اس میں سرایت کی ہوئی تھی۔ اس کا یہ عالم تھا کہ بار بار تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ راوی نے یہ کہا اور اس امر کی کوشش کی کہ میز پر اُچک کر تمثیلی پیرایہ میں اس کی تقریر کی نقل کرے۔ لیکن برابر والوں نے اس کی یہ آرزو پوری نہ ہونے دی۔ ایک مردِ مقطع نے کان میں کچھ کہا اور اس کو ناخوش کر دیا۔ لیکن خود اس نے ایک ایسے پاگل کا ذکر کیا جس کو وہم تھا کہ وہ "لٹو" ہے شاید وہ لٹو کی طرح گردش بھی کرتے اگر ان کے دوست جنہیں انہوں نے قطع کلام پہ مجبور کیا تھا خود ان کو نہ روک دیتے۔

اب تک تو میز پر بیٹھی ہوئی عورتوں نے اس گفتگو میں کچھ حصہ نہ لیا تھا۔ لیکن اب موضوعِ سخن اس قدر دلچسپ ہو چلا تھا کہ حوا کی بیٹیاں چپ نہ رہ سکیں۔ ایک لیڈی صاحبہ نے قطع کلام کیا، ان سب سے آخری راوی کو خطاب کر کے کہا آپ نے جس پاگل کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً احمق تھا۔ بخدا اس بیمار سے بڑھ کر عقلمند عورت میڈم "جالیس" تھی جس نے اپنے آپ کو "مرغا" سمجھ رکھا تھا۔ اب اس کی حرکتیں بھی کچھ ایسی تھیں کہ آپ "مرغے" سے مشابہت نہ دے سکیں مثلاً بازوؤں کا اس طرح پھڑپھڑانا اور پھر بانگ لگانا ککڑوں کوں ککڑوں....

میرے میزبان کو تاب نہ رہی، اور اس نے جھڑکی کے انداز میں کہا، میڈم جالیس! بہتر ہے تم اپنی زبان بند کرو۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے تم ڈنر ہال سے باہر جا سکتی ہو۔ اس خطاب اور جملے نے مخاطب پر گہرا اثر پیدا کیا۔ اس کی جبین عرق آلود ہو گئی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں بھی اس سے کچھ کم متاثر نہ ہوا۔ افوہ! میں جس عورت کو میڈم جالیس کی نقل کرتے

www.taemeernews.com

والی سمجھتا تھا، وہی فی الحقیقت میڈم جالیں نکلی، خدا خیر کرے، اس کے بعد اس حسین نوجوان لڑکی کی باری آئی جس سے میرا تعارف سب سے پہلے ہو چکا تھا۔ اور جس کو موسیو میلارڈ نے اپنے خاندان کے افراد سے بتایا تھا اس مجسمۂ حسن و متانت نے بڑھ کر کہا کہ میڈ جالیں سخت بے وقوف تھی۔ میرے خیال میں میموزایل پوڑمینی سالسافت بڑی عقلمند عورت تھی۔ اسی دارالمجانین میں رہا کرتی تھی وہ ساری دنیا کو گمراہی سمجھتی تھی اور خود کو یکہ فطانت، لوگ تو لباس پہن لیا کرتے تھے اور وہ چاہتی تھی کہ لباس اس کو پہن لے۔ چنانچہ وہ اسی طرح لباس کو علیٰحدہ کیا کرتی تھی۔ یہ کہتے کہتے اس دوشیزہ نے لباس نکالنا شروع کیا۔ اگر اس کے ساتھی نہ روکتے تو شاید وہ ایسے لباس میں ملبوس نظر آتی جس کا نہ سیدھا ہے نہ اُلٹا۔ یا بقول "ملاپ" لاہور حقیقتِ برہنہ کا انکشاف ہوتا۔ موسیو میلارڈ سے نہ رہا گیا اور ڈانٹ کر کہا:

"میموزایل سالسافیت! خدا کے لئے ان بے ہودہ حرکتوں کو ختم کرو"

اُف! مخاطب عورت کا نام سنتے ہی میرے اعصاب میں جنبش ہوئی، ابھی تک میرے میزبان کی سرزنش جاری تھی کہ اس قلعہ کے ایک کونے سے شور بلند ہوا۔ ان بیچاروں کی خوف سے گھگی بندھ گئی۔ چہروں پہ مُردنی چھا گئی۔ گفتگو میں لغزش تھی اور سب کے سب ہراساں نظر آتے تھے۔ لمحہ بہ لمحہ شور و غل بڑھ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ذرا آواز کی شدت میں کمی محسوس ہونے لگی تو ان افراد کی جان میں جان آئی اور پھر وہی اگلی سی چہل پہل نظر آنے لگی۔ میں نے جرأت کر کے اس شور کا سبب پوچھا۔ لیکن میزبان نے نہایت ہی لاپرواہی سے جواب دیا کہ بعض دفعہ پاگل اکٹھے ہو کر شور مچایا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اپنے کمروں سے نکلنے کی کوشش بھی کرتے

www.taemeernews.com

ہیں۔ اور یہی موقعہ پریشانی کا ہوا کرتا ہے۔

اس کے بعد میرے سوال کے جواب میں موسیو میلارڈ نے بتایا کہ فی الحال دس پاگل ہی موجود ہیں۔ مجھے خیال تھا کہ اُن میں زیادہ تر عورتیں ہوں گی کیوں کہ جنون سے زیادہ یہی طبقہ متاثر ہوتا ہے لیکن یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ سب کے سب مرد ہیں، اور وہ بھی موٹے، تازے، مسنڈے۔ موسیو میلارڈ نے کہا کہ اس سے پہلے یہی ہوا کرتا تھا۔ کہ بہ نسبت مردوں کے عورتیں زیادہ رہا کرتی تھیں۔ لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ میز پر جتنے لوگ جمع تھے بلا تفریقِ جنس یک زبان ہو کر کہنے لگے۔ "جی ہاں زمانہ بہت کچھ بدل گیا ہے۔"

موسیو میلارڈ کو یہ قطع کلام پسند نہ آیا۔ اور اس نے غضب ناک لہجہ میں کہا "اپنی اپنی زبان سنبھالو، میری گفتگو میں دخل نہ دیا کرو۔"

سب کے سب خاموش ہو رہے۔ ایک لیڈی نے موسیو کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنی زبان باہر نکال لی، اور کئی منٹ تک اس کو ہاتھ سے سنبھالے رکھا۔ اس عجیب و غریب حرکت سے میرے پرانے شبہات عود کر آئے اور میں نے رازدارانہ انداز میں اپنے میزبان سے کہا کہ "شاید اس لیڈی سے کچھ زیادہ خطرہ نہیں، اس میں کچھ شبہ نہیں حرکتیں تو عجیب ہیں، مرغے کی بانگ کی نقل اور اب تو زبان کو سنبھالے بیٹھنا، اس کے جنون کا پتہ دے رہا ہے۔"

موسیو میلارڈ نے میرے اس بیان پر سخت حیرت ظاہر کی اور کہا کہ تعجب ہے، آپ میری عزیز لیڈی میڈم جائس کو پاگل سمجھتے ہیں یہ تو اس کی بعض دلچسپ حرکتیں ہیں۔ اور کچھ بڑھاپے کا تقاضہ ہے، اور یہ سب مرد

www.taemeernews.com

عورت میرے دوست اور ہمراہی ہیں۔ جو مجھکو انتظام میں ضروری مدد دیتے ہیں۔

اب مجھے سلسلۂ کلام کو بدل دینا پڑا اور میں نے موسیو میلارڈ کے اگلے طریقۂ علاج کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ اور اس کو ترک کر دینے کے اسباب پوچھے ساتھ ہی اس کے میں نے موجودہ طریقۂ علاج کے متعلق مزید معلومات بہم پہنچانے کی درخواست کی میرے میزبان نے تفصیل سے گفتگو کی، اور بتایا کہ اکثر طریقۂ علاج کے موجد پروفیسر فیدر (یہ) اور ڈاکٹر تار (یعنی قیر یاراں) ہیں۔ مجھے ندامت محسوس ہوئی کیوں کہ ان ڈاکٹروں کے طریقہ ہائے علاج سے واقف ہونا تو کجا، میں نے ان کے نام بھی نہ سنے تھے۔ اور میرا یہ بیان میزبان کے لئے باعث حیرت ثابت ہوا۔ میری ندامت کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ البتہ اب میز کے گرد اگرد دور پہ دور چل رہے تھے خاموشی کے عوض اب ہال میں وہ ہڑبونگ مچی ہوئی تھی کہ ایک دوسرے کی بات تک سننا محال تھا سب کے سب گفتگو میں مشغول تھے۔ سننے والے البتہ "عنقا" تھے۔ بڑی مشکل سے میں نے اپنے میزبان کے ساتھ سلسلۂ گفتگو قائم رکھا۔ اور موجودہ طریقہ علاج کے فوائد سنے، بالآخر میں نے موسیو میلارڈ سے قدیم طریقۂ علاج کے نقائص پوچھے موسیو نے کہا کہ پاگلوں کو آزادی دینے میں مختلف خطرات کا امکان تھا۔ بعض اوقات پاگل اپنے مجنونانہ خیالات کو نہایت ہی خوبی سے پورا کرتے تھے بلکہ بعض دفعہ سازش کے لئے تیار ہو گئے۔ یہاں کے پاگل خانے کے متعلق ہی میں آپ کو عجیب قصہ سناتا ہوں مجھے یقین ہے کہ آپ کو سخت تعجب ہوگا۔

اس زمانے میں جب کہ پاگلوں کے لئے "آرام دہ" طریقۂ علاج

www.taemeernews.com

رائج تھا انھیں کامل اجازت اور آزادی تھی، ایک مجنون کے سر میں سمایا کہ وہ پاگل خانے کا منتظم بن سکتا ہے. چنانچہ اس نے اپنے ہمراہیوں سے اس خیال کو ظاہر کیا اور سبھوں نے دو ایک روز میں جملہ تجویزیں مکمل کرلیں۔ اور بہ آسانی اپنے محافظوں کی مشکیں کس لیں اور ان کو تہہ خانوں میں قید کر دیا۔ اب کیا تھا یہاں پاگلوں کی حکومت ہوگئی. ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق لباس پہنتا تھا. اور اپنی خواہش کے موافق غذائیں تیار کراتا تھا. محافظین کے لباس، زیورات اور جملہ اسباب پر پاگلوں نے قبضہ کرلیا اور پرانی عداوت کا سخت ترین انتقام لیا. پاگلوں کے منتظم اعلیٰ نے اطراف و اکناف کے باشندوں کو اس "انقلاب" سے بالکل بے خبر رکھا. سخت تاکید کردی کہ کوئی غیر شخص حدود دارالمجانین میں داخل نہ ہونے پائے. صرف ایک دفعہ اس ممانعت کے خلاف عمل درآمد کیا گیا۔ ایک بے وقوف آدمی نے دارالمجانین دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور پاگل منیجر نے اُسے اندر بلالیا، اور سچ تو یہ ہے کہ اس کو یہاں احمق بنا یا گیا۔ اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا کہ اصلی محافظ مقید ہیں اور پاگل برسرِ حکومت ہیں. غرض ایک مدت تک یہ "انقلابی" دور رہا

میزبان نے ابھی گفتگو ختم نہ کی تھی کہ یکایک وہی ہیبت ناک آوازیں بلند ہوئیں، اور اس دفعہ بہت ہی قریب شور و غل ہونے لگا۔ دو چار لحظے بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ بہت سے حملہ آور ہتھوڑوں سے دریچوں کو توڑنے لگے۔ اب اس ہال میں جس طوفان بے تمیزی کا دور دورہ ہوا وہ مجھے پاگل بنانے کے لئے کافی تھا. میرا میزبان جس کو میں مہتمم سمجھے ہوئے تھا ایک الماری میں جا چھپا. سازولے کچھ اس جوش میں بجانے لگے کہ ہردم طنبور و ستار کے شکست و ریخت کا گمان ہوتا تھا. ادھر میز پر بیٹھے ہوئے اصحاب کی بھی کچھ عجیب حالت تھی۔ ایک

www.taemeernews.com

صاحب میز کے وسط پہ کھڑے ہوئے فصیح و بلیغ خطبہ دے رہے تھے لیکن سامعین مفقود تھے۔ ایک اور صاحب جنہوں نے لٹّو والے پاگل کا قصہ سنایا تھا، خود لٹّو بنے دونوں بازوؤں کو پھیلائے ہوئے ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر گردش کر رہے تھے۔ کہیں شامپین کے بوتل سے کاگ اڑانے کی آواز آرہی تھی لیکن فی الحقیقت وہ ہمارے دوست کی ناک کی آواز تھی، وہ بزرگ جنہوں نے مینڈک کا قصہ سنایا تھا۔ ایک جانب اکڑوں بیٹھے ٹرا رہے تھے۔ کہیں تو گدھے کی ڈھینچوں، ڈھینچوں کا سلسلہ جاری تھا۔ میڈم جانس اپنے بازوؤں کو پھڑپھڑاتی ہوئی ککڑوں کوں کی بانگ بے ہنگام بلند کر رہی تھی۔ اندر جو لوگ موجود تھے وہ تو اپنے ان تماشوں میں مشغول تھے اور حملہ آور نہایت ہی ... [illegible] کو گرا رہے تھے بالآخر کامیاب ہوئے اور آسانی سے اگی ہال میں گھس پڑے ... [illegible] ... رے کی جملہ کیفیات ممکن ہے کہ مدتوں تک بھول نہ سکوں۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ آفریقہ کے جنگلوں سے جملہ بندر لنگور اور جنگلی آدمی یکایک ٹوٹ پڑے ہیں۔ حملہ آوروں نے سب کو خوب پیٹا، میں بھی اس زد و کوب سے بچ نہ سکا۔ دس پندرہ منٹ تک پٹنے کے بعد ایک صوفے کے نیچے چھپ گیا۔ اب حملہ آوروں میں جو کچھ باتیں ہوئیں اس سے ثابت ہوا کہ میرا میزبان موسیو میلارڈ فی الحقیقت آپ بیتی بیان کر رہا تھا بے چارے محافظ تقریباً ایک ماہ سے مقید تھے اور موسیو میلارڈ نے سازش کر کے جملہ پاگلوں کو اس امر پر آمادہ کر دیا تھا کہ وہ محافظوں کو محبوس کر دیں۔ روزانہ ان پر قیر ملا جاتا تھا اور پھر چھڑک کے اس بدبودار گوند میں پروں کی خاصی تعداد چپکا دی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے پہل ان بیچارے محافظوں پر لنگوروں کا دھوکا ہوا۔ موسیو میلارڈ فی الحقیقت دو چار

www.taemeernews.com

سال کے قبل ناظر دارالمجانین تھا. لیکن بعد کو اس کے دماغ میں خلل پیدا ہوگیا اسی وجہ سے اس کو پاگلوں میں داخل کر دیا گیا. لیکن بمصداق "دیوانہ بکار خویش ہشیار". اس نے ان محافظوں کو ایک مہینے کے لئے پاگل بنا دیا میرا ہمسفر دوست موسیو میلارڈ کا قدیم واقف کار تھا اُسے موسیو موصوف کے خلل دماغ کا علم نہ تھا اس لئے اس نے لاعلمی کی حالت میں مجھے ایسے زبردست خطرے میں پھنسا دیا۔

اب تو ساری باتیں منکشف ہوگئیں. پروفیسر پیر اور ڈاکٹر تیر کا مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ واقعی موسیو میلارڈ کے تخیل کی داد دینی چاہیئے کہ اس نے شروع سے آخر تک اس عمدگی سے اپنی طرز کو نباہا کہ باوجود شبہات کے میں یقینی طور پر اصلیت کے پہچاننے سے معذور رہا۔

ناظرین ایلن پو نے اپنے تخیل کو کھینچ تان کر اپنے آپ کو پاگل خانے میں پہنچایا اور پھر وہاں کے دلچسپ حالات قصہ کی صورت میں بیان کئے میں نے بھی اپنے دوست کی قیام گاہ یعنی دارالمجانین کے متعلق اپنے تجربات پیش کئے. لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ ہم روزانہ بہت سے پاگلوں سے ملا کرتے ہیں جو معلوم نہیں کس وجہ سے وہاں اب تک نہیں پہنچ سکے. اگر موقعہ ہو تو پھر کبھی پاگل خانے کے باہر والے پاگلوں کا ذکر کروں گا. خدا کرے میرا یہ وعدہ پورا ہو سکے۔

www.taemeernews.com

میرے ایک قدیم عنایت فرما

میرے ایک دوست جن کا نام اس وقت بتانے کی ضرورت نہیں، کچھ ایسے سراپا ظرافت ہی تو ہیں کہ ان کی زندگی کے دو چار واقعات بھی روتوں کو ہنسنے اور جلی بھنی صورت والوں کو قہقہہ لگانے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں آپ کی زندگی کے واقعات سناؤں ذرا لگے ہاتھوں حلیۂ مبارک سے آشنا ہو جایئے تاکہ لطف دوبالا ہو۔ آپ کی ذات گرامی قدرتی فطرت کے عجیب کارناموں سے ہے آپ جس قدر پست قد واقع ہوئے ہیں اسی قدر بلند اور صاحب ہمت بھی ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ قد میں جو کچھ کمی تھی فطرت نے کامل طور پر اس کی تلافی آپ کی جسامت میں کر دی ہے۔ اس مختصر قد مگر بھاری بھرکم جسامت کی وجہ سے کروی الشکل نظر آتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر اس امر کا پتہ لگانے کی کوشش کی جائے کہ آپ کے جسم کے طول و عرض میں کس قدر فرق ہے تو شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ایسی کوشش کرنے والے حضرات ہمیشہ ناکام رہیں گے۔ ماشاء اللہ چشم بددور! کبھی سر و رُخ کی قلعی کے آپ خراماں خراماں کچھ عجیب انداز سے چل نکلتے ہیں تو اس روانی کے لئے صرف ایک "لڑھکنا" ہی ہے جو عمدگی سے آپ کی اس "حرکت محوری" پر صادق آسکتا ہے۔ آپ کئی حیثیتوں سے حجازی ہیں، منجملہ ان کے ایک زبردست تعلق آپ کو حجاز سے یہ ہے کہ وہاں کے متبرک جانور شتر بے مہار کی طرح، بحمداللہ آپ کی

www.taemeernews.com

کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ آپ کی سادگی کے متعلق یوں تو بہت سی روایتیں مشہور ہیں لیکن یہ تو چشم دید واقعہ ہے کہ جو لباس آپ زیب بدن فرماتے ہیں، وہ خواہ چست ہو یا ڈھیلا بلا استثناء آپ کے جسم کی ساخت سے قطعاً مختلف ہوا کرتا ہے۔ فطرت نے آپ کی طبیعت میں انتہا پسندی ہر امر میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ یا تو کبھی تنگ لباس میں نظر آتے ہیں کہ جسم پر جا بجا کہیں بندھیاچل اور ہمالہ کی چوٹیاں نظر آیا کرتی ہیں یا کہیں گنگا اور نربدا کی وادیاں۔ آپ کے جسم اور ٹھگنے قد کی بناء پر کرۂ ارض کی تشبیہ نا موزوں نہیں ہو سکتی۔ شاید ہی بدقسمت دن کوئی ایسا گزرا ہو جب کہ ایسا لباس زیب تن ہو جو خاص اہمیت کے ساتھ اس ناموزوں جسم کے سینے موزوں کیا گیا ہو۔ ایک اور روایت آپ کی سادہ دلی کے متعلق حلقۂ احباب میں مشہور ہے کہ آپ ہفتے میں کم از کم تین مرتبہ ضرور ازار الٹی پہن لیا کرتے ہیں۔ فطرت نے اپنے اقتضاء کے عین مخالف ترتیب اور نظام کا مسئلہ آپ کے وجود با جود میں درہم برہم کر دیا ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ تناسب اور نظم تو آپ کی جملہ حرکات سے ایسے ہی مفقود ہے جیسے اشرف المخلوقات کے سر سے سینگ، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ازار والے معاملے میں آپ نہایت ہی سختی سے پابندی کیا کرتے ہیں۔ اس کی وجہ مختلف حضرات نے اپنے اپنے خیال کے مطابق کی ہے۔ اور بعض تو اس کو نعوذ باللہ آپ کی غفلت اور بے پروائی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ بعض آپ کی طبیعت کے فلسفیانہ رنگ کو اس کی اصلی وجہ قرار دیتے ہیں۔ بعضوں نے اس کو مصروفیت دماغ کا لازمی نتیجہ گردانا ہے۔ لیکن ہمارے کالج کے مسلم الثبوت استاذ تاریخ جو اقتصادیات میں ید طولیٰ رکھتے ہیں نہایت ہی وثوق کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ حرکت نہ تو بے سبب اور نہ بلا ارادہ، بلکہ اس سے مقصود یہی ہے کہ لباس میں خاصی کفایت ہو جائے۔ ازار کے بیرونی حصہ کے میلے ہو جانے کے بعد الٹ کر پہننا ڈوگ میٹنگ اکانومی کا

www.taemeernews.com

ایک زبردست اصول ہے۔ اور اس پر آپ دلیل بھی پیش کرتے ہیں
کہ علاقۂ حیدرآباد کے بعض حضرات دوہرے جوڑی دار پائجامے
اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کے استعمال فرمایا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم
بالصواب۔

اُچکن جس کو حیدرآباد والے شیروانی اور مدراس یا بنگلور کے
باشندے اَنتری کہتے ہیں، آپ کچھ اس انداز سے پہنتے ہیں کہ دیکھنے
ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ بہرحال یہ تو روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ بٹن اس
نرالے طریقہ سے لگائے جاتے ہیں کہ نیچے کا ایک بٹن بے کار رہ جاتا
ہے۔ اور گلے کے قریب بٹن کا ایک حلقہ معطل رہتا ہے اور جب کبھی ان دونوں میں سے کسی ایک کی
طرف آپ کا خیال جاتا ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ ان دونوں کی طرف ایک ہی وقت میں
خیال نہیں جاتا، کیوں کہ آپ کا دماغ بمصداق الواحد لا یصدر منہ
الا الواحد، اپنی شان میں یکتا ہے) تو آپ فرمایا کرتے ہیں کہ احمق درزی
نے ایک بٹن زاید لگا دیا ہے۔ اور اگر دوسرے روز آپ کی توجہ کالر
کے قریب اُچکن کے بالائی حصہ کی جانب منعطف کرائی جائے تو
فرماتے ہیں کہ طرفہ تماشا دیکھئے کہ بٹن کا ایک حلقہ زاید بنایا گیا ہے
اسی قسم کے اختراعاتِ فائقہ کا یہ عالم ہے کہ متصوفین کے خیال کے
مطابق تجدد امثال کے قائل ہوکر لیے اختیار "کل یوم ہوفی شان"
کہنا پڑتا ہے۔

آپ ہمیشہ غریب خانے پر تشریف فرما ہوا کرتے ہیں لیکن پناہ
بخدا آپ کا آنا کیا ہے، گویا کسی کوہ آتش فشاں کا مدتوں کے جمود
کے بعد جاگ اٹھنا ہے۔ پرسکون فضا میں آپ کی آمد سے قبل

www.taemeernews.com

ہی، ہلچل پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ یقین جانیئے کہ آپ کے واپس ہونے سے پہلے ہی دو تین چیزیں سرحدِ عدم کے قریب پہنچ جاتی ہیں۔ کبھی کسی فوٹو کے چوکھٹے کی شامت آجاتی ہے۔ کبھی کسی المادی کے شیشے کی، اور کبھی کسی آیئنہ کی، اگر ان میں کوئی چیز آپکی تشریف آوری پر بھینٹ نہ چڑھائی جائے تو کمبخت کرسی ہی کب بچ سکتی ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کی "شہادت" کے بعد نہایت ہی خاموشی کے ساتھ طلب معافی کے انداز بھی نرالے ہوا کرتے ہیں، کبھی تو خندۂ دنداں نما بر سب معاملات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور کبھی زیرِ لب تبسّم کافی سمجھا جاتا ہے۔ اور کبھی گہرے تفکر اور استغراق کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ میں خود اس صدمہ کو بھول جایا کرتا ہوں۔ اور سب سے آخر لیکن سب سے زیادہ اہم طریقۂ کار ایسی صورتوں میں آپ کی وہ کوشش ہے جو ٹوٹی ہوئی اشیاء کو ٹھیک کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ اور اس وقت تک خاتمہ نہیں ہوتا، جب تک کہ شئے مذکور ناقابل تلافی حیثیت سے برباد نہ ہو جائے۔

آپ سے گفتگو میں بھی کچھ عجیب لطف آتا ہے۔ دس منٹ میں بہت ممکن ہے کہ آپ کو ہیوم، بیکن، کیانٹ اور ہیگل سے لے کر شوپن ہار اور نیٹشے تک کہ جملہ فلاسفر کے اقوال سے آشنا ہونے کے موقع دستیاب ہوں گے۔ آپ متوجہ ہوں یا نہ ہوں، سلسلۂ کلام میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ لیکن عجیب تر تماشہ تو جب ہے کہ اس قسم کی گفتگو کے دوران میں آپ پر محویت اور استغراق کا عالم طاری ہو جائے۔ آپ ہزار کوشش کیجئے، لیکن اس مراقبہ کی حالت کا دور ہونا معلوم۔ ایک دفعہ ہم اپنے بالاخانے کی دوسری یا تیسری منزل پر بیٹھے ہوئے باتیں

www.taemeernews.com

کر رہے تھے کہ آپ پر اسی قسم کے فلسفیانہ استغراق کا غلبہ ہوا، حلقۂ احباب کے کسی بے تکلف بزرگ نے پیچھے سے آن کر ڈرانے کے لئے اچانک طور پر "بیل بیل" کہہ کر جو پکارا ہے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ لوٹا لئے ہوئے اچھل پڑے، اور اس ناشدنی بیل کی سینگوں سے بچنے کے لئے دس قدم ادھر ہو رہے، لیکن کچھ دیر بعد جب یہ خیال آیا کہ آپ بالاخانے پر موجود ہیں، تو آپ نے نہایت ہی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ یہ شیوۂ انسانیت نہیں، اس لفظ "یہ" کے مشارٌ الیہ کے متعلق ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ اور ہر ایک دعویٰ اپنی اپنی جگہ پر مدلل ہے۔ ایسے واقعات پہ شرمندہ ہونا تو آپ اپنی فطرت سے بعید سمجھتے ہیں اور دبی زبان سے کبھی یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی فرو گذاشتوں پر متوجہ ہوا کروں تو یہ "گرگے" بنا ئینگے

اللّٰھم زد فزد

آپ کی گفتگو سمجھنے میں عجیب دقت پیش آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے خیالات ہمیشہ الفاظ سے بہت آگے رہتے ہیں۔ اور اس کا لازمی نتیجہ وہی ہے جو حضرات کا خیال ہے کہ آپ کے جملوں میں ربط مفقود ہے۔ حاشا وکلاّ یہ اعتراض حق بجانب نہیں رہا۔ اب رہا آپ کی سبقت لسانی، اس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ ان سب کا ذکر کرنے کے لئے ایک عمر درکار ہے میں تو ہرگز قائل نہیں کہ آپ سہواً ایسا کرتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ تراکیب الفاظ اور حروف کی الٹ پھیر میں عجیب و غریب راز مضمر ہیں۔ گفتگو میں قرض حسنہ کی بجائے حرض قسنہ اور مدراس کے

www.taemeernews.com

ساحل پر ترک موالاتیوں کے ہجوم کو دیکھ کر بوکھلاہٹ سے "غم جغیر" کہنا کچھ نادرات سے نہیں۔ البتہ بڑے لطف کی بات تو وہ ہے کہ جب آپ نے بعض دوستوں کی درخواست پر ایک مختصر سی مجلس میں کچھ تقریر کا وعدہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بے کار بندوں کو ترک موالات کی سوجھی تھی، آپ بھی ان حضرات کے لٹریچر سے بخوبی واقف تھے۔ اور بالخصوص مولانا ابوالکلام کی عربی نما اردو یا اردو نما عربی پر دل و جان سے شیدا تھے۔ تقریر کے کچھ پہلے آپ نے مولانا کے بعض، مضامینِ الہلال اور خصوصاً تفسیر سورۂ والتین کا بخوبی مطالعہ کرلیا تھا۔ اور اسی وجہ سے مجلس میں پہونچ کر لکچر کے عوض وعظ کی ٹھان لی۔ صرف ایک آدھ گھنٹہ کھانسنے، کھنکارنے، اور چہرے سے پسینہ پونچھنے کے بعد آپ نے عین قرأت یہ پڑھا "والتین والزیتون" اور نہایت ہی جوشیلی آواز میں گلے کی رگوں کو پھلا کے، نتھنوں کو پھیلا کے، آنکھوں کو نیم باز کر کے اور مٹھیوں کو بھینچ کے ارشاد فرمایا" اور قسم ہے زنجیر کی جل جلالہٗ اس کے بعد ہی خیال آیا آپ" انجیر" کے عوض زنجیر کہہ گئے ہیں۔ پھر کیا تھا آپ نے مَنْ صمت نجا والی حدیث پر عمل کیا۔ بے تکلف حضرات نے آپ کو مرکز پر لانے کی کوشش کی۔ مگر آپ ایسا بھاگ نکلے جیسے زنجیر سے دیوانہ، جب بہت مجبور کیا تو آپ نے حجرے میں پہنچ کر کنڈی چڑھالی، یاروں نے بہت دیر تک زنجیر کھٹکھٹائی، لیکن صدائے بر نخواست۔ البتہ بعض حضرات کا بیان ہے کہ کبھی کبھی اس وظیفہ کی آواز آہی جاتی تھی، "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال"۔

آپ کی سبقت لسانی صرف اردو تک ہی محدود نہیں ہے۔

www.taemeernews.com

'انگریزی کی گردن پر بھی کچھ کم احسان نہیں ہیں۔ میرے ایک انگریزی
دان منڈین دوست سے اثنائے گفتگو میں آپ نے سوال کر ہی
دیا کہ آپ پورک (PORK) استعمال فرمایا کرتے ہیں، وہ بیچارے
سخت پریشان اور جز بز ہوئے کہ آپ کا کیا مطلب ہے۔ بعد خرابی
بسیار آخر یہ نکتہ حل ہوا کہ آپ فورک کہنا چاہتے تھے۔ جب کبھی آپ
صحبت احباب میں بے تکلفی سے گفتگو کیا کرتے ہیں تو اثنائے کلام میں
اپنی عملی بدحواسیوں کی مثال بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ میں نے بعض باتیں
جو میرے دوست نے بحق یاران بے تکلف محفوظ کر دی تھیں۔ اس
رسالے میں شائع کرنے کی نیت کی ہے۔ کاش وہ نہ دیکھیں۔ اور وہ
دیکھیں گے کیوں! یا دیکھیں بھی تو یقین ہے کہ اپنے خلق حسن ظن کی بنا
پر مجھ کو مجرم نہ سمجھیں گے۔ بلکہ آپ کو یہی گمان ہوگا کہ مجھ جیسی ایک
اور ہستی اس قسم کی ہوگی۔ خدا کی خدائی سے کیا بعید ہے اور یہ کیا'
"امتناع نظیر" کا مسئلہ تھوڑا ہی ہے کہ ساری دنیا ئے۔۔۔۔ میں آپ
کی مثال نہ مل سکے۔ اسی اطمینان نے تو ہمیں یہ جرأت دلائی ہے کہ
آپ کی شکایت ڈنکے کی چوٹ کریں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو روزانہ کا واقعہ ہے کہ آپ غسل
کی نیت سے بیت الخلا میں اور رفع حاجت کی نیت سے حمام خانے
میں داخل ہوا کرتے ہیں۔ وجہ صرف یہی ہے کہ دونوں کے دروازے
ایک دوسرے کے متصل ہیں اور جب کبھی اس غلطی کی تحقیق کے بعد
غلط دروازے سے باہر نکل کر دوسرے دروازے میں داخل
ہونے کا موقع ہوتا ہے تو آپ نہایت ہوشیاری سے دیکھ لیا کرتے

www.taemeernews.com

ہیں کہ اصحابِ خانہ میں سے کوئی اس غلطی کے ارتکاب سے واقف نہ ہوجائے۔ آپ میرے ممدوح کو اگر اب بھی ہوشیار نہ سمجھیں تو غضب ہے۔

آپ اوروں کی بدحواسی کے پُر لطف قصّے بھی سُنایا کرتے ہیں۔ جن کے متعلق مجھے اب تک شبہ ہے کہ وہ کہیں ؎

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

کے مطابق نہ ہوں۔ بہرحال ذیل کا واقعہ جس کو جذبہ انکساری کی وجہ سے آپ دوسروں کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ میری بدگمانی سمجھیئے یا فطرت شناسی مجھے مجبور کررہی ہے کہ اس کا سہرا بھی آپ ہی کے سر باندھوں۔ آپ نے کالج کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کالج کی جماعتوں میں طلبہ کی کثیر تعداد ہوا کرتی تھی۔ اور بسا اوقات طلبہ انگریزی کی کلاس میں ایک سو سے متجاوز ہوتے تو گیلری پرنشست کا انتظام ہوا کرتا تھا۔ گیلری کا فرش ایسے تختوں کا تھا کہ نیچے خلا ہی خلا تھا۔ بوٹ کا ایک ٹھونکا ہال میں صدائے بازگشت پیدا کرسکتا تھا۔ اور کبھی کبھی (ہندوستانی طرز معاشرت کے دلدادہ، دُبلے پتلے پروفیسر ل کی کلاس میں ہمیشہ) جملہ طلباء کا تال سُر کے ساتھ، یا کبھی بے سُری پاؤں کی جوتوں کی اور بوٹوں کی ٹھوکروں سے ہنگامہ برپا ہوا کرتا تھا۔ اور علی العموم یا کوبی کے ایسے موقع اسی وقت ہوا کرتے تھے جب کسی پروفیسر کی ظرافت کی ضرورت سے زیادہ داد دینی یا کسی طالب علم کی بدحواسی کی تعریف یا کسی نوگرفتار کی مزاج پُرسی کرنی مقصود ہوتی

www.taemeernews.com

ایسے موقعوں پر پاؤں کی ورزش نہ کرنا سخت بے حسی کی علامت تھی۔
بقول آپ کے ہر ایک کو عادت سی ہوگئی تھی۔ اختیاری یا اضطراری طور پر خود بخود حرکت کر لیے لگتے تھے۔ ایک روز کسی نے (آپ کے قول کے مطابق) ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں میں نیند کے پیہم حملوں کے سامنے ہار مان لی۔ پھر کیا تھا۔ صاحب موصوف منہ چھپانے لگے اور آخر کار سر جھکا دیا۔ سامنے کے تختے پر سر رکھ کے اس طرح خرخرانے لگے جیسے کہ بعض سوراجسٹ (SWARAJIST) ممبرانِ مجلس قانون ساز نہایت مفید اور اہم مسودہ ہائے قوانین پیش ہونے کے وقت کارروائی حسب اصول موضوعہ صرف رکاوٹ پیدا کرنے کی غرض سے خرخرایا کرتے ہیں۔ خدا بھلا کرے صدر مجلس کا کہ ایسے موقع پر مزید بدمزگی پیدا ہونے سے قبل ہی گھنٹی سے بیدار کر دیا کرتا ہے لیکن کلاس میں گھنٹی تو چھٹی کی علامت ہے۔ ایسوں کو بیدار کرنے کے لئے کوئی ایجاد پسند نئی اختراع پیش کرے تو شاید مفید ہو۔ ورنہ اس واقعے کا ثبوت بغیر کاوش کے دستیاب ہوا کرے گا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ایک روز آپ اسی طرح نیند سے مغلوب ہوکر خرخرانے لگے۔ تو بعض دل لگی بازوں نے اس عادت کے مطابق شور مچایا۔ یعنی ہاتھوں سے نہیں پاؤں سے چیرز دیئے گئے۔ بس جماعت بھر نے اس کی تقلید کی۔ آپ بھی اپنی میٹھی نیند سے چونک پڑے اور محض اس خیال سے کہ داد دینے میں اوروں سے پیچھے نہ رہ جائیں آپ خود چیرز دینے والوں میں شامل ہوکر زور زور سے پاکوبی کرنے لگے۔ آپ کو خبر ہی نہیں تھی کہ یہ شگوفہ آپ ہی کا کھلایا ہوا ہے۔ جل جلالہ۔ لیکن جب دو سو ستر آنکھوں (کیونکہ ایک سو تو طلبا میں سے ایک صاحب صرف ایک آنکھ والے تھے) کو اپنی جانب ملتفت دیکھا تو تلخ حقیقت کا انکشاف ہوا۔

www.taemeernews.com

تہذیب و تمدن کے ابتدائی مراحل میں ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے مختلف طریقے استعمال کئے گئے ہوں گے۔ غالباً ایک مدت کے تجربے کے بعد پہچان کا بہترین طریقہ یہی سمجھا گیا ہوگا جس کو ہم اپنی زبان میں "نام" کہتے ہیں۔ مختلف زبانوں اور مختلف قوموں میں بعض مشترک اور بعض مختلف خصوصیات اس سلسلہ میں پائی جاتی ہیں۔ جن پر غور کرنے سے مفید نتائج برآمد ہوں گے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ نام سے بسا اوقات آپ نام والے کی حیثیت اور درجے کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ مثلاً ان ناموں میں طبقاتی فرق کس قدر نمایاں اور بدیہی ہے دیکھئے سراج الدولہ، نثار احمد، بھیکو میاں شیخ جمن، وغیرہ۔ ناموں کے ان طبقاتی فرق کی طرف اکبر مرحوم نے اپنے لطیف طنز میں اشارہ کیا ہے کہ۔

کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

اسی طرح مختلف قوموں یا قبیلوں میں جس قسم کے ناموں کی کثرت ہوگی اسی سے ان کی تہذیب، میلان، عواطف، مذہبی جذبات اور توہم پرستیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ کسی زبان یا قوم میں ناموں کی ارتقائی

www.taemeernews.com

حیثیت پر غور کرنے سے آپ بہ آسانی اس قوم یا زبان کی تدریجی ترقی یا تنزل اور اس کے عقائد و خصائص میں منزل بہ منزل تبدیلیوں کا اندازہ کر سکتے ہیں، اور اس لحاظ سے غالباً یہ کہنا کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ ناموں کا غائر مطالعہ ہمارے لئے علم آثار قدیمہ سے کچھ کم مفید نہیں۔

غیر متمدن اور وحشی اقوام اور قبائل میں لازمی طور پر نام محدود ہوا کرتے ہیں۔ اور ان میں اکثر ان کے مذہبی عقائد اور ضعیف الاعتقادی سے وابستہ ہوتے ہیں یا کبھی فطرت کے ان ظاہری مناظر سے متعلق ہوتے ہیں جن کو روزانہ ان کی آنکھیں دیکھا کرتی ہیں۔ خدا، شیطان، دیوتا یا گرد و پیش کے جانور یا پرند، یا چاند، سورج، ستارے، زمین، آسمان، درخت دریا، اور پہاڑ وغیرہ نام کے لئے موزوں سمجھے جاتے ہیں۔ اور جب کبھی اس قسم کے مسمّی ایک سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ تو ایک صفت کے زیادہ کرنے سے اشتباہ دور کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جنوبی ہند میں ہندوؤں کی مختلف ذاتوں میں ناموں کا نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے۔ اچھوت اقوام میں اکثر "سوامی" کے ساتھ ڈراوڑی زبانوں میں صفت چھوٹا، بڑا، سنہرا یا روپہلا شامل کردی جاتی ہے۔ یا کوئی صفت کبھی باپ، ماں اور بھائی کے ڈراوڑی لفظ کے ساتھ بڑھا دی جاتی ہے اور نام بن جاتا ہے۔ مسلمانوں میں بھی اسی طرح سے صفت سے مرکب نام پائے جاتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی صفت ہی نام کی جگہ لیتی ہے۔ جیسے چھوٹے صاحب یا بڑے صاحب منجھلے صاحب اور منجھلے میاں بھی عام طور پر نام ہوتے ہیں۔ عربوں میں بھی یہ عادت تھی کہ ایک ہی نام خاندان کے مختلف افراد کا ہوتا تھا اور پھر ان کو عدد یا صفت کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے تمیز

www.taemeernews.com

کرلیا کرتے تھے۔ جیسے علی اصغر، علی اوسط، علی اکبر یا حسن یا حسن مثنٰی وغیرہ بالکل اسی کی تقلید میں اردو میں ان کا بسا اوقات ترجمہ کرلیا جاتا ہے۔ اور بڑے یا چھوٹے یا منجھلے نام کے پہلے بڑھا دیئے جاتے ہیں۔

تمدن کی ابتدائی منزلوں میں گرد وپیش کے جانوروں کے نام ہرزبان اور ہر قوم میں نام رکھنے کے لئے ہمیشہ مقبول رہے ہیں۔ البتہ بعض جانوروں کے نام تہذیب و تمدن کے ارتقائی دور میں بھی مقبولیت حاصل کرچکے ہیں مثلاً شیر ہر قوم اور ہر ملک میں بہت ہر دلعزیز رہا ہے۔ عربوں میں اسد، اسد اللہ، حیدر، غضنفر، حارث، یا یعوب عام طور پر پائے جاتے ہیں اسد علی، اسد حسین، شیر علی، حیدر علی وغیرہ بھی ہندوستان میں عام ہیں۔ اس نام کی مقبولیت میں "شیر خدا" حضرت علی رضی اللہ عنہٗ سے مناسبت کو بھی بڑا دخل ہے۔ سکھوں نے تو شیر کو اپنے نام کا ضروری اور لازمی جزو قرار دیا ہے۔ "سنگھ" بمعنی شیر ان کے ناموں میں پایا جاتا ہے۔ البتہ پہلے جزو کے متعلق کوئی قید نہیں خواہ وہ بامعنی ہو یا بے معنی۔ کبھی کبھار شہروں یا محکموں کے نام کے ساتھ بھی لگایا جاتا ہے۔ غالباً شیر کے بعد مقبولیت کتّے کو حاصل ہے۔ انگریزوں میں کتّے کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں "کتا" عربی لباس میں نام کا جزو ہوتا ہے اور ایسی نسبت اور اضافت مقبول ہے۔ لیکن "کتا" ایرانی اور ہندی، لباس میں نام کا جزو نہیں ہوسکتا۔ غالباً یہ پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ کلب علی، کلب رسول، کلب حسین عام طور پر رکھے جاتے ہیں۔ اور عقیدت مند سگِ بارگاہِ فلاں لکھ لیا کرتے ہیں۔ لیکن لفظ سگ نام کے جزو کی حیثیت سے مستعمل نہیں ہے۔ کتّے کے علاوہ بھیڑیا اور لومڑی بھی [illegible]

www.taemeernews.com

اور انگریزوں میں مقبول رہے چنانچہ عربوں میں لومڑی Fox کو قبولیت حاصل ہے۔ اسی طرح اکثر اقوام میں گھوڑے کے مختلف نام پسندیدہ سمجھے گئے۔ لیکن ہندوستانی مسلمانوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ البتہ "دلدل" "جعفر" نے خچر کو زندہ رکھا ہے۔ عربوں نے بھی کبھی کبھی کسی نام کے ساتھ گدھے کو شامل کرکے اس حیوان کو شرف بخشا ہے۔ جیسے مروان الحمار (گدھا) بنوامیہ کے آخری تاجدار کا لقب تھا۔ لیکن فارسی اور اردو میں شاید یہ کبھی کسی نام کا جزو نہیں بنا ورنہ خر عیسیٰ اور خر خراسانی کے لئے نام مقبول ہو سکتے تھے۔ بیل بے چارہ ہمارے ناموں میں جگہ نہ پا سکا لیکن "جان بل" اس کو کچھ اس طرح اپنایا ہے کہ کسی "بیل صاحب" یا "بیل خان" کا تصوّر ہی سرے سے ناممکن ہے۔ اسی طرح سور کے مختلف ناموں کو پسند کرنے میں اہل انگلستان نے جملہ حقوق اپنے لئے محفوظ کر لیئے ہیں۔

مصطفےٰ کمال کی تحریک جدیدیہ کے بعد ترکوں نے بھیڑیے کو اپنے قدیم روایات جاہلیت کی بنا پر تقدس کا درجہ دیا اور وہ اکثر ترکوں کے نام میں شامل رہا۔ عربی اور اسلامی نام بھی توڑ مروڑ کر ترکی اور خالص قبل اسلام ترکی زبان سے بچنے جانے لگے۔ اب ترکوں میں ردّ عمل کی وجہ سے وہ شدت باقی نہیں رہی جو ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۶ء تک تھی۔

پرندوں میں خوش نوا اور خوب صورت پرندوں کے نام شاعرانہ حیثیت سے اردو اور فارسی میں بہت مقبول رہے۔ لیکن اسی قسم کے نام اکثر کنیزوں سے مختص رہے۔ انگریزوں میں چڑیا، طوطا، مُرغ، اُلّو وغیرہ کے نام عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ جانوروں اور پرندوں کے علاوہ پھولوں کے نام نہایت ہی پسندیدہ سمجھے گئے۔ نرگس، سوسن

www.taemeernews.com

نسرین، نسترن، گلاب، چنبیلی، جوہی، چمپا، سنبل، انار کلی وغیرہ شاہان مغلیہ کی نفاست پسندی کی یادگار ہیں۔ اردو کی بہترین مثنویاں سحر البیان اور گلزارِ نسیم اس پر شاہد ہیں۔ پھولوں کے ساتھ گلشن اور گلچین بھی رواج پا گئے لیکن علی العموم یہ نام اپنے مسمّٰی سے حقیقی اور معنوی مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ اسی لئے ضرب المثل کے طور پر یہ بات مشہور ہو گئی۔ ع

بر عکس نہند نام زنگی کافور

ہمارے ہاں ناموں کا تجزیہ کیا جائے تو حیوانات اور نباتات کے علاوہ جمادات کے اسماء کا بھی ایک وافر ذخیرہ ہے۔ جیسے یاقوت بیگم، جواہر خاں لعل صاحب، زمرد بیگم، جواہر نگار اور موتی بیگم وغیرہ کثرت سے اس قسم کے نام ملیں گے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۴۷ء میں بمبئی کے ایک جلیل القدر تاجر اور مختلف انجمنوں اور جمعیتوں کے ذمہ دار عہدہ دار نے کہا تھا کہ انہوں نے تقریباً دو ہزار ایسے ناموں کی فہرست تیار کی ہے جو بہ آسانی ان کے عندیہ میں ہندو اور مسلمانوں کے مشترک نام ہو سکتے ہیں۔ جیسے موتی لال، جواہر لال، ہیرا چند، گلاب چند وغیرہ وغیرہ۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان بڑی بے وقوفی کریں گے اگر آئندہ ایسے نام نہ رکھیں۔ زمانے کا رنگ جب بدلتا ہے تو کمزور قسم کے لوگ اپنے بچاؤ کے لئے جس قسم کی تجویزیں سوچتے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور یہ کوئی نئی ذہنیت نہیں۔ انگریزوں کے عہد میں بھی جن کے ذہن یورپ کی تہذیب سے متاثر اور مرعوب تھے، وہ اپنے ناموں کو بگاڑ کر انگریزی تلفظ میں پیش کیا کرتے تھے اور خواہی نخواہی اپنے ناموں کو انگریزی لفظ میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے تھے غرض اس قسم کی تحریک اگر کبھی مرعوبیت کی بناء پر قبولیت عام کا درجہ حاصل کرے تو اور خدا نہ کرے کہ.....

www.taemeernews.com

وہ دن آئے) تو شاید اس قسم کی ناپاک تجویز کے مطابق حیوانات، نباتات اور جمادات کے نام مقبول ہوں۔

موالید ثلاثہ کے علاوہ فرشتے بھی ہمارے نام کے لئے انتخاب کئے گئے ہیں۔ جبرئیل، اسرائیل اور میکائیل کے نام عیسائیوں میں زیادہ تر اور مسلمانوں میں کثیر مستعمل ہیں۔ جس نام کو ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے وہ عزرائیل ہے۔ حالانکہ بیتوں کے دوست اور احباب جو وقت ضائع کرنے کیلئے روزانہ تشریف لایا کرتے ہیں یا وہ اصحاب جو چندہ وصول کرنے کے لئے آتے ہیں جی تو یہی چاہتا ہے کہ ان کے نام عزرائیل ہوں۔

اوہام پرستی کی وجہ سے بعض مہینوں میں پیدا ہونے والے اُن ہی مہینوں سے موسوم ہوتے ہیں۔ محرم علی، رجب علی بیگ، شعبان علیخاں رمضانی کے سے نام عام ہیں۔ بقیہ مہینوں کے نام مرکب ہونے کی وجہ سے یا عوام کے عقیدوں میں زیادہ محبوب نہ ہونے کی بنا سے اس شرف سے محروم رہے۔ دنوں میں جمعہ اور جمعرات کو یہ فضیلت حاصل ہے جمعراتی، خیراتی، شبراتی، عیدن وغیرہ تہواروں سے مناسبت رکھنے والے نام ہیں۔ اور کبھی کبھی ان ناموں سے ان نام والوں کی پیدائش کے ایام بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔ عربی گنتی بھی ناموں کے لئے مستعمل ہے۔ جیسے واحدہ، رابعہ وغیرہ۔

اشیائے مستعملہ سے اور پیشہ سے متعلق بھی نام ہوا کرتے ہیں۔ خنجر، شمشیر، اور ذوالفقار تو اچھے طبقے میں بھی مقبول ہیں۔ پیشوں سے مناسبت زیادہ تر گجراتی اور پارسی اصحاب میں پائی جاتی ہے۔ غالباً کاروباری زندگی میں ان کی صفت نام پر غالب آجاتی ہے اور

www.taemeernews.com

وہی نام کا درجہ لیتی ہے باٹلی والا، نالا والا، ٹھاٹھا والا، پونچھ والا وغیرہ۔
بمبئی کے علاقہ میں بڑے مشہور کاروباری دولت مندوں کے نام ہیں۔
اس قسم کے ناموں میں تنوع کے علاوہ مستفی اور اس کے خاندان کی
کاروباری زندگی کی تاریخ پنہاں ہوتی ہے۔

بعض نام ایسے ہوتے ہیں جو اپنے عہد کے کسی مقبول ہیرو کی یاد
تازہ کرتے ہیں۔ جیسے آج سے پچاس سال پہلے مصری ہیرو مصطفیٰ کامل کا
نام لوگوں نے اپنے بچوں کے لئے تجویز کیا۔ ۱۹۳۰ء میں مصطفیٰ کمال
اقبال، محمد علی، اور شوکت علی کے نام بچوں کے لئے فوراً ذہن میں آتے
تھے۔ اسی طرح معتقد مریدوں کی جماعت نے اپنے پیروں اور سلاسل
کے بزرگوں کے نام اپنی اولاد کے لئے نہایت ہی مناسب سمجھے، نذر، نیاز
صدقہ اور خیرات کے الفاظ بھی مرکب حیثیت سے ہمارے ناموں میں
پائے جاتے ہیں۔ جیسے نذر محمد، نیاز احمد، خیرات علی، محمد صدقہ، محمد بخش
اللہ داد وغیرہ۔ یہ نام اس امر کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے والدین کو اولاد
کی بڑی خواہش تھی اور یہ منتوں کی اولاد ہے۔ عوام میں منت کے نام
کبھی خاص ہندی میں ہوتے ہیں جیسے غلام بھیک، اللہ دیا وغیرہ۔ کبھی
خوش فہمی اور امید موہوم کی بنا پر مفلس فقیر لوگ اپنی اولاد کا نام، امیر
وزیر، بادشاہ، سردار وغیرہ رکھا کرتے ہیں۔ کبھی عوام نظر بد سے
بچانے کے لئے نہایت بے تکے اور مکروہ نام رکھا کرتے ہیں جیسے گھسیٹا خاں
چھمو میاں وغیرہ، بعض اچھے نام بھی بگڑ کر ایسی ہی صورت بنا لیتے ہیں
جیسے فیض اللہ خاں سے فیضو خاں یا فیضو میاں یا حسن علی یا حسن احمد
سے حسنو میاں، ایسے نام اکثر بھونڈے مذاق کا پتہ دیتے ہیں۔

www.taemeernews.com

والدین کو احتیاط لازم ہے کہ وہ محبت میں اپنی اولاد کے نام نہ بگاڑیں۔ کبھی شاعرانہ مذاق بھی ناموں میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً محمد نسیم اپنے صاحبزادے کا نام محمد شمیم رکھیں، تو شاعرانہ لطافت اور کمال خوبی ہے۔

حسن و مذاق بھی غلط ترکیبوں سے فنا ہو جاتا ہے۔ جیسے فارسی لفظ کی ترکیب کسی عربی لفظ سے الف لام کے ساتھ ہو تو طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔ اور اس قسم کے نام اکثر پنجاب میں عام ہیں، جیسے چراغ الدین، یا سوداگر الدین، موخرالذکر نام اگرچہ ترکیب میں غلط ہیں لیکن آج کل کے بعض نا اہل علماء اور پیروں کے ناموں کے ساتھ بہ طور لقب استعمال کیا جائے تو معنوی حیثیت سے ان پر بالکل پھب جائے۔ جنوب میں شاید ترچنا پلی اور اس کے مضافات میں عبدالخدا کا نام بھی پایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بنگال میں مسلمانوں کے نام بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ تفضیب اللہ یا تفضیب الرحمٰن لغت قاموس کی حیثیت سے صحیح ہوں تو ہوں لیکن عرف عام کا لحاظ ضروری ہے اور احتیاط کی جائے کہ ایسے نام نہ رکھے جائیں۔

ناموں کے تجزیہ سے ظاہر ہے کہ اچھے نام مسمیٰ کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کم از کم اچھے ناموں کی وجہ سے ان کے والدین اور خاندان کی خوش مذاقی کا ثبوت ملتا ہے۔ اسی واسطے سرور کائنات ؐ نے حکم فرمایا ہے۔ احسنوا اسماء (تم اپنے نام اچھے رکھو) آپؐ نے اچھے ناموں کی تفصیل بھی کردی اور فرمایا اَحَبُّ الاسماء عنداللہ عبداللہ و عبدالرحمٰن یہی وجہ ہے کہ مسلمان اکثر اسماء حسنیٰ کے پہلے عبدیا عبد کا سابقہ لگا کر نام بنا لیتے ہیں۔ اور یقیناً نہایت ہی موزوں ہیں۔

www.taemeernews.com

ہندوؤں میں بھی اونچی ذاتوں اور پڑھے لکھے خاندانوں میں بالکل ہی طریقہ رائج ہے۔ ایشور داس، وشنو داس، بھگوان داس، موہن داس وغیرہ۔ انسان کو اپنی نسبت اللہ سے قائم رکھنا اس زمانے میں بہت ضروری ہے۔ اس لئے ناموں کے انتخاب میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ ورنہ بچوں کو بڑے ہونے کے بعد بدذوق ناموں کی وجہ سے یہ کہنا نہ پڑے ع

ناموں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

اردو لٹریچر میں پنڈت رتن ناتھ سرشار نے سب سے پہلے ظرافت کے پیرایہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بعض ناموں پر تنقید کی ہے مغلیہ حکومت کی وجہ سے ہندوؤں پر فارسی کا اثر اس قدر نمایاں تھا کہ عام طور پر جو نام رکھے جاتے تھے وہ فارسی کے ہوتے تھے جیسے لالہ خوش وقت رائے صائب رائے۔ محکم چند وغیرہ اس صفت شتر گربہ کو سرشار نے اس وجہ سے غالباً ناپسند کیا ہے کہ یہ اس عہد کی ذہنی مرعوبیت کی مثال ہے۔ مہتاب رائے بھی ایک عام نام تھا، اس کا معمہ بھی مشہور ہے

بنے کیوں کر کہ ہے سب کام الٹا
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

مسلمانوں کے جن ناموں پر انہوں نے طنز کیا ہے وہ بسم اللہ، سبحان اللہ، انشاء اللہ، ماشاء اللہ وغیرہ ہیں۔ ان کے ساتھ اکثر خاں کو زاید کر لیا جاتا ہے۔ سرشار نے اس سلسلے میں دو نئے نام پیش کئے ہیں العظمتہ اللہ خان اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ خان مگر معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔

www.taemeernews.com

ناموں کے متعلق تحقیق کی جائے تو نہایت ہی مفید اور دلچسپ باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔ زمانۂ موجودہ میں "نام" صرف تشخص اور پہچانت کے لئے کافی نہیں سمجھے گئے۔ بلکہ نسبتیں، نسلی، مقامی اور مذہبی حیثیت سے لازمی سمجھی جاتی ہیں۔ جیسے انصاری، قریشی، مہاجر، نایطی، صدیقی عثمانی، علوی، حسنی، حسینی، جعفری، کاظمی، نقوی، بخاری، قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، نظامی، اشرفی، صابری، دہلوی، بغدادی دیو بندی، بریلوی وغیرہ غرض نسبتوں کی کثرت کی یہ کیفیت ہے کہ گھبرا کے کہنا پڑتا ہے۔ ع

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

التوحید اسقاط الاضافات اگر صحیح ہے تو شاید بہت سی نسبتیں ساقط ہو جائیں اور بقول مولانا اشرف علی مرحوم شاید وہ زمانہ بھی اس ڈراونی دور میں آجائے جب ان نسبتوں پر "آدمی" کو شامل کر لیا جائے تاکہ "آدم کی اولادیں ہونے کا سبق ہی سرے سے نہ بھلادیا جائے

۸۷

www.taemeernews.com

سمندر پار کے خطوط

والد مرحوم نے اپنے بیرونی ممالک کے سفر کے دوران میرے
نام خطوط لکھے تھے وہ بظاہر ان کے مشاہدات پر مبنی ہیں لیکن ان
کے پس منظر میں یوروپی ممالک کی تہذیب پر بھی کافی روشنی پڑتی
ہے بطور نمونہ دو خطوں کے اقتباسات قارئین کی ضیافت طبع
کے لئے پیش ہیں۔ انوار الحق،

۲۰ر اکتوبر ۱۹۳۶ء!

پیارے انوار۔!

میں نے اس کے پہلے خط میں لکھا تھا کہ تم کو سویز کنال کے حالات بتاؤں گا۔
لو سنو!

سویز کنال

مصر اور عرب کے ملک کو زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بحر قلزم کے شمالی
کنارے پر ملاتا ہے۔ اس کو خاکنائے سویز کہتے ہیں۔ اس زمین کے ٹکڑے کی
وجہ سے بحر قلزم اور بحر متوسط بالکل ایک دوسرے سے بیگانہ تھے۔ کہتے ہیں
کہ پرانے زمانے میں مصر کے بادشاہوں نے جو فرعون کہلاتے تھے یہاں پر
ایک نہر کھدوائی تھی اور دونوں سمندروں کو ملا دیا تھا۔ لیکن ایک زمانہ گزرنے
کے بعد وہ نہر بند ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے زمانے میں مصر کے گورنر حضرت
عمرو بن العاصؓ نے اس کو کھدوانا چاہا لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے منع کر دیا
کہ کہیں رومی اپنے جہاز لاکر عرب کے ملک پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے یہ تجویز
ویسی ہی رہ گئی نپولین کے زمانے میں فرانس والوں نے اس کو کھدوانا چاہا لیکن

www.taemeernews.com

ویلٹا ہے یہاں سے موٹر بس دو اور شہروں کو جاتے ہیں جن کے نام رباط اور سلیمہ ہیں ویلٹا کا ایک حصّہ ایک اونچی پہاڑی کے دامن میں ہے اوپر جانے کے لئے اچھی سڑک بنی ہوئی ہے لیکن لفٹ (LIFT) کے ذریعہ سے بھی لوگ آتے جاتے ہیں ویلٹا میں دو چیزیں بڑی نادر اور دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایک تو گورنر کا محل جو یہاں کا عجائب گھر ہے اس میں پانچ سات سو سال پہلے کے بہادر سواروں کے ہتھیار زرہ بکتر وغیرہ عجیب و غریب چیزیں رکھی ہوئی ہیں یہ بہادر سوار یوروپ میں نایٹ ٹمپلرز کہلاتے تھے۔ فرانس سے نکالے جانے کے بعد انہوں نے یہاں آکر حکومت قائم کی تھی ان کی پرانی یادگاریں اور باتصویر پردے جو یہاں لٹکائے گئے ہیں دنیا کے نادر ذخیروں میں سے ہیں۔

یہیں ایک بہت بڑا گرجا ہے جس میں رنگ برنگ کے پتھروں سے بہت سے بُت اور تصویریں بنائی گئی ہیں۔ یہاں کی کاریگری اور سنگ تراشی کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ صدہا قسم کے پتھر ہیں اور طرح طرح کے نقشے اور تصویریں بنی ہوئی ہیں یہاں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے کئی بُت بنے ہوئے ہیں۔ غرض اس گرجا کی عمارت اور کاریگری اس جزیرے کی عجیب اور نادر چیز ہے ــــ ویلٹا سے رباط پانچ چھ میل دور ہے وہاں بھی ایک اسی قسم کا نہایت ہی خوبصورت گرجا ہے یہاں بازار بڑے اور آباد ہیں مالٹا کے مَرد تو یوروپ کا لباس پہنتے ہیں لیکن عورتیں سیاہ لباس پہنتی اور سر پر چھتری کے مانند ایک کمانی دار چھجہ لگا لیتی ہیں اسی کے ساتھ ایک چادر کی سی اوڑھنی ہوتی ہے جس کے دونوں کنارے ہاتھ میں پکڑ لیتی ہیں اور بازاروں میں چلتی پھرتی ہیں یہاں بہت اچھے باغ ہیں مالٹا کے باشندے اپنے ہاں کے باغات پر فخر کرتے ہیں لیکن یہ ہندوستان کے مشہور سرسبز مقامات کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہیں۔

محمد عبد الحق

www.taemeernews.com

پیارے انوار —!

دعا اس خط میں مالٹا کے حالات لکھتا ہوں اچھی طرح سے پڑھو اور اٹلس میں دیکھو کہ مالٹا کس جگہ پر ہے تاکہ تم کو اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

جزیرۂ مالٹا

بحر متوسط میں یہ ایک چھوٹا سا نہایت ہی خوبصورت جزیرہ ہے — پورٹ سعید سے تین دن کے راستے پر ہے یہاں جہاز چار گھنٹے ٹھہرا رہا۔ بار بر میں پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر بہت سے لڑکے بیٹھے ہوئے جہاز کے قریب آرہے ہیں ان کو سمندر میں غوطہ لگانے کی خوب مشق ہے جہاز پر سے پیسے پانی میں پھینکتے تھے تو یہ فوراً ہی کود کر غوطہ لگاتے تھے اور پیسے منہ میں لئے ہوئے اوپر آتے تھے۔ جہاز کے مسافروں کے لئے یہ ایک اچھا تماشا تھا۔ لوگ پیسے پھینکتے تھے اور یہ بچے غوطہ لگا کر نکال لیتے تھے۔ مالٹا کا ہاربر بہت بڑا ہے۔ یہاں انگریزوں کے بہت سے جنگی جہاز تھے۔ جہاز کنارے سے کچھ دور ٹھہرتا ہے اس لئے کشتی میں بیٹھ کر کنارے پر اترنا پڑتا ہے۔ یہ جزیرہ کسی زمانے میں مسلمانوں کے علاقے میں تھا۔ عرب یہاں آکر رہ گئے تھے اس لئے مالٹا کے لوگوں کی زبان عربی الفاظ سے بھری ہوئی ہے میرے خیال میں سو میں پچاس یا اس سے زیادہ عربی لفظ ہوتے ہیں گنتی تو بالکل عربی ہے ایک سے سو اور ہزار تک ان کی زبان میں جو لفظ ہیں عربی ہیں اگرچہ مالٹا میں عربوں کی حکومت کو مٹے ہوئے کئی سو سال گزر گئے ہیں لیکن وہاں کی زبان پر ہمیشہ کے لئے اثر رہ گیا ہے جزیرۂ مالٹا کا سب سے بڑا شہر

www.taemeernews.com

بعض انجینیروں نے کہا کہ بحر متوسط بحر قلزم سے اونچا ہے اس لئے دونوں کا ملانا مشکل ہے۔ گزشتہ صدی میں ایک فرنچ انجینیر لیپ نے اس تجویز کو بہت زور وشور سے پیش کیا۔ فرانس اور مصر کی حکومت نے ساتھ دیا اور کھدوائی کا کام جاری رہا اور کئی سال کی محنت کے بعد ستاسی ۸۷ میل لمبی نہر کھود دی گئی۔ جو سمندروں کو ملاتی ہے۔ اس میں سے جہاز گزرتے ہیں یہ بہت تنگ کنال ہے صرف ایک جہاز ایک وقت میں گزر سکتا ہے اور وہ بھی بہت آہستہ اتنا سا راستہ طے کرنے کے لئے تقریباً بارہ گھنٹے ہوتے ہیں۔ اس کنال کے کھودنے سے ہندوستان سے انگلستان کا سفر بہت آسان ہوگیا ہے اور پندرہ روز میں طے ہو جاتا ہے ورنہ پہلے آفریقہ کا چکر لگا کے جانا پڑتا تھا اور اس میں تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ دن درکار ہوتے تھے۔

محمد عبد الحق

---

www.taemeernews.com

افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق مرحوم

www.taemeernews.com

افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کے مضامین

مُرتبہ

انوارُالحق